www.cpsglobal.org

الرسالہ

Al-Risala

December 2014 • No. 457 • Rs. 20

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الرسالہ

جاری کردہ 1976

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

صدر اسلامی مرکز

Al-Risala Monthly
1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Tel. 011-41827083, 46521511,
Fax: 011-45651771
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Subscription Rates
Single copy ₹20
One year ₹200
Two years ₹400
Three years ₹600
Abroad by Air Mail. One year $20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.

Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

دسمبر 2014

فہرست

استثنائی دنیا	2	امتِ مسلمہ کا کیس	26
دورِ معرفت	3	غلو کیا ہے	27
پیغمبر کا رول	4	حیاتِ انسانی کی توجیہہ	28
انسان کی تخلیق کس لیے	5	ترتیبِ قرآن	29
ایک حدیثِ رسول	7	پیغمبر متبعِ قرآن	30
اصحابِ رسول کا نمونہ	8	غلبہ، اہلِ حق کے لیے	31
فطرت کا عطیہ	10	تنقید یا الزام تراشی	32
آلاء اللہ کا مطلب	11	آخر میں قبر	33
ایک آزمائش	12	دینی نہیں بلکہ قومی	34
دعوت کی توسیع	13	زندگی المیہ کیوں	37
ہدایت اور ضلالت	15	ٹماٹر یا لال بیگن	38
ایک انسانی کمزوری	17	دعوتی اسپرٹ	39
خدا کی سنت	18	شکایت کا نقصان	40
دو ذمے داری	19	وقت کا سرمایہ	41
فریکونسی کا مسئلہ	21	اسپرٹ آف اسلام	42
پیغمبر کا اُسوہ	22	سوال و جواب	43
الرسالہ مشن کا دوسرا دور	24	خبر نامہ اسلامی مرکز	45

استثنائی دنیا

قرآن کی سورہ نمبر 95 میں یہ الفاظ آئے ہیں: وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ○ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ○ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ○ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین: 1-4) اس سورہ میں تین، زیتون، طور سینین اور بلد امین، یہ سب علامتی الفاظ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کرہ ارض (planet earth) جہاں پھل دار درخت ہیں، سرسبز پہاڑ ہیں، اور پررونق شہر آباد ہیں، وہ ایک حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں۔ وہ یہ کہ یہ زمین جس پر انسان کو آباد کیا گیا ہے، ایک استثنائی سیارہ (exceptional planet) ہے۔ اس قسم کی دنیا وسیع کائنات میں کہیں موجود نہیں۔ پھر اس زمین پر انسان کو بسایا گیا ہے، ایسا انسان جس قسم کی کوئی دوسری مخلوق ساری کائنات میں کہیں موجود نہیں۔

اِس غیر معمولی اہتمام کے باوجود اس دنیا میں ایک انوکھا تضاد (strange contradiction) پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ انسان بظاہر سب سے اعلیٰ مخلوق ہے۔ لیکن عملاً اس دنیا میں اس کو جن حالات کے درمیان رہنا پڑتا ہے وہ اس کے لئے اسفل سافلین (lowest of the low) کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ استثناء (exception) اور یہ تضاد (contradiction) ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ یہ پکار رہا ہے کہ اس انوکھی صورتِ حال کی توجیہہ کیا ہے۔ اس صورتِ حال کی درست توجیہہ کے بغیر یہ دنیا ایک ناقابل فہم ظاہرہ (unexplainable phenomenon) بن جاتی ہے۔ سورہ کی اگلی آیتوں میں اسی سوال کا جواب ہے۔

سورہ کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں اور عمل صالح کریں تو ان کے لئے آخرت کی دنیا میں کبھی ختم نہ ہونے والا اجر (unending reward) ہے۔ اس آیت میں ایمان سے مراد سچائی کی دریافت ہے، اور عمل صالح سے مراد یہ ہے کہ آدمی اس دریافت کردہ سچائی کے مطابق عمل کرے۔ جو لوگ اس کا ثبوت دیں، وہ برے انجام سے بچ جائیں گے اور خالق عالم کی طرف سے اعلیٰ انعام کے مستحق قرار پائیں گے۔

دورِ معرفت

حضرت ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ کوئی چڑیا بھی اگر فضا میں اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ہم کو ایک علم کی یاد دلاتے تھے (وما يقلب طائر جناحيه في السماء إلا ذكر لنا منه علماً) الطبقات الكبرى لابن سعد 2/354۔

بلاشبہہ چڑیا کا فضا میں اڑنا قدرت الٰہی کی ایک عظیم نشانی ہے۔ قدیم زمانہ میں قدرت الٰہی کی اس نشانی (sign) کو صرف پراسرار عقیدہ کے تحت سمجھا جاسکتا تھا، مگر آج اس کو ایک سائنسی حقیقت کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اب سائنسی دور میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج جب ایک ہوائی جہاز فضا میں اڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتا ہے تو اس کے لئے ہوائی جہاز سے باہر ایک بہت بڑا انفراسٹرکچر درکار ہوتا ہے۔ ٹیک آف (takeoff) کے مقام پر بھی اور لینڈنگ (landing) کے مقام پر بھی۔

اِس انفراسٹرکچر کے بغیر کوئی جہاز ایک مقام سے دوسرے مقام پر نہیں پہنچ سکتا۔ مگر چڑیا کو فضا میں اڑنے کے لئے کسی خارجی انفراسٹرکچر کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے آپ ایک جگہ سے اڑتی ہے اور فضا میں تیرتی ہوئی دوسری جگہ اتر جاتی ہے۔ یہ بلاشبہہ رب العالمین کی ایک عظیم نشانی ہے۔

موجودہ زمانہ میں سائنسی ترقیوں نے ایک بہت بڑا کام انجام دیا ہے۔ اس نے چیزوں کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ایک نیا فریم ورک دیا ہے۔ اِس سائنسی فریم ورک کی بنا پر یہ ممکن ہوگیا ہے کہ جو چیز پہلے صرف پراسرار طور پر مانی جاتی تھی، اس کو اب مسلّمہ عقلی بنیاد (rationally accepted base) پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اس زمانی تبدیلی نے معرفت اور یقین کے لئے ایک نیا لامتناہی میدان کھول دیا ہے۔

اس جدید سائنسی دور کی پیشین گوئی قرآن میں ساتویں صدی عیسوی میں ان الفاظ میں کی گئی تھی: سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (فصلت: 53) یعنی آئندہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے، آفاق میں بھی اور ان کے اپنے اندر بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے کہ یہ حق ہے۔

پیغمبر کا رول

ایک حدیث رسول ان الفاظ میں آئی ہے۔ عن أبي هريرة، قال جلس جبريل إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فنظر إلى السماء، فإذا ملك ينزل، فقال جبريل: إن هذا الملك ما نزل منذ يوم خلق، قبل الساعة، فلما نزل قال: يا محمد، أرسلني إليك ربك: أفملكا نبيا يجعلك، أو عبدا رسولا؟ قال جبريل: تواضع لربك يا محمد- قال: بل عبداً رسولاً۔ (مسند احمد: 7160) یعنی ابوہریرہ کہتے ہیں کہ جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر انھوں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ تو ایک فرشتہ اوپر سے اترا۔ جبریل نے کہا کہ یہ فرشتہ جب سے اس کو پیدا کیا گیا، وہ اس سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ جب وہ فرشتہ آ گیا تو فرشتہ نے کہا کہ اے محمد، آپ کے رب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ کو وہ بادشاہ پیغمبر بنائے یا بندہ پیغمبر۔ جبریل نے کہا کہ اے محمد اپنے رب کے لئے تواضع کا طریقہ اختیار کیجئے۔ آپ نے کہا کہ میں عبد پیغمبر بننا پسند کرتا ہوں۔

اس حدیث کا تعلق صرف پیغمبر کی ذات سے نہیں ہے۔ بلکہ اپنے عمومی انطباق کے اعتبار سے یہ حدیث، ابدی طور پر داعیٔ دین کے رول کو بتاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس دنیا میں داعی کا رول ایک پولیٹکل رول نہیں ہے، بلکہ وہ ایک غیر سیاسی (non-political) رول ہے۔

اسلام ایک پرامن مذہب ہے، اور اسلامی دعوت ایک پرامن دعوت۔ اسلامی مشن کوئی پولیٹکل مشن نہیں۔ اسلامی مشن کا مقصد یہ ہے کہ پرامن ذرائع کو استعمال کر کے انسان کو بتایا جائے کہ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ وہ کس طرح ابدی کامیابی کو حاصل کر سکتا ہے۔ مزید یہ کہ دنیا کی زندگی میں، وہ کون سا طریقۂ حیات اختیار کرے، جو اُس کے لیے مقصد زندگی کے حصول میں رکاوٹ نہ بنے۔ اسلامی دعوت اِس لئے ہوتی ہے کہ وہ انسان کے لئے آسانی پیدا کرے۔ وہ انسان کو غیر ضروری مشکل سے بچائے۔ مذکورہ حدیث میں مومنانہ زندگی یا داعیانہ زندگی کی اِسی حقیقت کو بتایا گیا ہے۔ اِس حدیث کا تعلق سنت رسول سے ہے، نہ کہ فضیلت رسول سے۔

انسان کی تخلیق کس لیے

قرآن کی سورہ الذاریات میں انسان کے مقصدِ تخلیق کو اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ○ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ (51:56-60) یعنی اور میں نے جنّ اور انسان کو صرف اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے رزق نہیں چاہتا اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلائیں۔ بے شک اللہ ہی روزی دینے والا، زور آور، زبردست ہے۔ پس جن لوگوں نے ظلم کیا، ان کا ڈول بھر چکا ہے، جیسے ان کے ساتھیوں کے ڈول بھرے تھے، پس وہ جلدی نہ کریں۔ پس منکروں کے لیے خرابی ہے ان کے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس کے شاگرد مجاہد نے 'ليعبد ون' کی تفسیر 'ليعرفوني' (تفسير القرطبي) سے کی ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی اِس آیت میں عبادت سے مراد شکلِ عبادت نہیں ہے، بلکہ روحِ عبادت ہے۔ یہاں عبادت سے مراد فارم نہیں ہے، بلکہ عبادت کی اسپرٹ ہے، اور بلاشبہہ عبادت کی اسپرٹ وہی ہے جس کو معرفت (realization) کہا جاتا ہے۔

اب یہ سوال ہے کہ معرفت سے مراد کس چیز کی معرفت ہے۔ ایک لفظ میں، اِس سے مراد ہے اپنے اور اپنے خالق کے درمیان پائی جانے والی حیثیتِ واقعی کو دریافت کرنا۔ اِس حیثیتِ واقعی کے دو پہلو ہیں — ایک ہے بندے کی نسبت سے اور دوسرا ہے خالق کی نسبت سے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اِس بات کو درجۂ معرفت میں جاننا کہ انسان عاجزِ مطلق (all powerless) ہے اور خدا قادرِ مطلق (all powerful) ۔ خدا پورے معنوں میں دینے والا (giver) ہے اور انسان پورے معنوں میں لینے والا (taker)۔

عبادت کی یہ حقیقت قرآن کی مذکورہ آیات میں بتادی گئی ہے۔ آیت کے اگلے الفاظ یہ ہیں:
مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۔
اِس آیت کے دو حصے ہیں — پہلا حصہ ہے: مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ ۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کامل معنوں میں رزق کا محتاج ہے، یعنی یک طرفہ طور پر لینے والا، اور اللہ کامل معنوں میں رازق ہے، یعنی یک طرفہ طور پر دینے والا۔ مذکورہ سلسلۂ آیات کے آخری الفاظ (فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ) بتاتے ہیں کہ یہ معاملہ کوئی سادہ معاملہ نہیں، وہ جزا اور سزا کے ابدی قانون سے جڑا ہوا ہے، یعنی جو شخص حقیقی معنوں میں تخلیق کے مقصد کو پورا کرے، اس کے لیے جنت ہے اور جو شخص اِس امتحان میں ناکام ہوجائے، اس کے لیے جہنم۔

چنئی اور حیدرآباد میں گڈورڈ (Goodword) کے بک اسٹور قائم ہوگئے ہیں، اِن میں گڈورڈ بکس کی تمام مطبوعات، ماہ نامہ الرسالہ اور دعوتی لٹریچر دستیاب ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

Goodword Books, Chennai
324,Triplicane High Road, Triplicane,
Chennai-600005
Tel+.9144-4352-4599
Mob+.91-9790853944,9600105558
email: chennaigoodword@gmail.com

Goodword Books, Hyderabad
2-48/182,Plot No. 182,Street No. 22
Telecom Nagar Colony, Gachi Bawli
Hyderabad-500032
Mob. 9448651644
email: hyd.goodword@gmail.com

گڈورڈ بکس (Goodword Books) نئی دہلی میں الرسالہ مطبوعات کے علاوہ، مختلف موضوعات پر اردو، عربی اور انگریزی زبان میں ملک اور بیرونِ ملک کے دیگر اداروں کی علمی اور فکری مطبوعات بھی دستیاب ہیں۔

ایک حدیثِ رسول

مسند امام احمد میں مرویات عبد اللہ بن عمر کے باب کے تحت، ایک روایت ہے: قال جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم - فقال: يا رسولَ الله، إني اقرأ القرآن فلا أجد قلبي يعقِل عليه؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن قلبَك حُشِيَ الإيمانَ، وإن الإيمان يُعْطَى العبدَ قبل القرآن (مسند احمد: 6604) یعنی وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ اے خدا کے رسول، میں قرآن کو پڑھتا ہوں۔ مگر قرآن میری سمجھ میں نہیں آتا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارا دل ایک ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ اور ایمان کسی بندے کو قرآن سے پہلے دیا جاتا ہے۔

اِس حدیث میں ایمان کا لفظ دو بار آیا ہے مگر دونوں جگہ وہ الگ الگ معنی میں ہے۔ پہلے ایمان سے مراد اس آدمی کے جاہلی افکار ہیں۔ جو بظاہر قبول اسلام کے باوجود ابھی تک اس کے دماغ میں بھرے ہوئے تھے۔ دوسرے ایمان سے مراد وہ حقیقی ایمان ہے جو قبول اسلام کے بعد کسی انسان کو اللہ کی توفیق سے ملتا ہے۔ یہی دوسرا ایمان وہ ہے جو کسی آدمی کے لئے قرآن کو سمجھنے میں معاون بنتا ہے۔

اِس حدیث کا مطلب اگر لفظ بدل کر بیان کیا جائے تو وہ یہ ہوگا کہ مذکورہ شخص نے اگرچہ بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اس کی سابقہ کنڈیشننگ ابھی تک ٹوٹی نہیں تھی۔ جس بنا پر اس کا ذہن قرآن کو سمجھ نہیں پاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے تم اپنے ذہن کی ڈی کنڈیشننگ (deconditioning) کرو۔ اس طرح تم ایک تیار ذہن (prepared mind) بن جاؤ گے، اور پھر قرآن کو سمجھنا تمھارے لئے آسان ہو جائے گا۔ کسی موضوع (subject) کو درست طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی نے اس کے مطابق اپنے ذہن کو تیار کیا ہو۔ جو آدمی مطالعہ سے پہلے تیار ذہن (prepared mind) کی حیثیت نہ رکھتا ہو، وہ کوئی بھی کتاب درست طور پر سمجھ نہیں سکتا، نہ مذہبی کتاب اور نہ غیر مذہبی کتاب۔ یہی معاملہ قرآن کا بھی ہے۔

اصحابِ رسول کا نمونہ

المعجم الاوسط للطبرانی (باب المیم: 5124) میں صحابہ کے بارے میں ایک روایت آئی ہے۔ اس کو مفسر ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی کتاب میں سورہ العصر کی تفسیر کے تحت نقل کیا ہے۔ اس روایت کے راوی ایک صحابی عبداللہ بن حصن ہیں۔ وہ کہتے ہیں: كان الرجلان من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، اذا التقيا لم يتفرقا حتى يقرأ أحدهما على الآخر: "والعصر إن الإنسان لفي خسر"، ثم يسلّم أحدهما على الآخر۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دو آدمی اگر باہم ملتے تو وہ جدا نہیں ہوتے تھے، یہاں تک کہ ایک شخص دوسرے شخص کو سورہ العصر پڑھ کر سناتا، پھر دونوں ایک دوسرے کو سلام کر کے رخصت ہوتے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا طریقہ تھا۔ اِس کا تقابل (comparison) موجودہ زمانے کے مسلمانوں سے کیجئے۔ موجودہ زمانے کے مسلمان جب باہم ملتے ہیں تو خواہ وہ دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں، وہ عام طور پر مفروضہ دشمنوں کے ظلم کا چرچا کرتے ہیں۔

مثلاً فلسطین میں عربوں کے اوپر اسرائیل کا ظلم، ہندوستان میں مسلم دشمن پارٹی کا اقتدار میں آنا، 11 ستمبر 2001 کے بعد امریکا میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک، مغربی ملکوں میں اسلام فوبیا (Islamophobia) کے مبالغہ آمیز قصے، غیر مسلم اخباروں میں مسلمانوں کے خلاف چھپنے والی خبریں، غیر مسلم قوموں کی مسلمانوں کے خلاف سازشیں، حکومت کے اداروں میں مسلمانوں کے خلاف تعصب، وغیرہ۔

وہ واقعات جن کو موجودہ زمانے کے مسلمان ''ظلم وتعصب'' کہتے ہیں، وہ سب کے سب مزید اضافہ کے ساتھ اصحاب رسول کے زمانے میں موجود تھے، لیکن اصحاب رسول ان کا چرچا نہیں کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ ان باتوں کا چرچا کرتے تھے جن کو قرآن میں قابلِ ذکر بتایا گیا ہے۔

اصحابِ رسول اور موجودہ زمانے مسلمانوں کے درمیان یہ جو فرق ہے اُس سے معلوم

ہوتا ہے کہ کیوں ایسا ہے کہ اصحابِ رسول کامیاب تھے، اور موجودہ زمانے کے مسلمان ناکام ہیں۔ کیوں ایسا ہوا کہ اصحابِ رسول پر اللہ کی نصرت نازل ہوئی۔ جب کہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ کوششیں کرتے ہیں لیکن ان کی کوششیں نتیجہ خیز نہیں ہوتیں، وہ جان و مال کی قربانی دیتے ہیں لیکن ان کی قربانیاں رائیگاں چلی جاتی ہیں۔ وہ مسجدوں میں اور بڑے بڑے جلسوں میں دعائیں کرتے ہیں لیکن ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ وہ خیر امت ہونے کا دعوی کرتے ہیں، لیکن عملی صورت حال کے اعتبار سے ان کی حالت اِس کے برعکس ہے۔

امام مالک بن انس (وفات: 795ء) کا ایک بامعنی قول اِن الفاظ میں آیا ہے: لن یصلح آخر هذه الأمة، إلا بما صلح به أولها (احكام الجنائز للألباني: 198) یعنی امت مسلمہ کے آخری گروہ کے حالات بھی صرف اسی طرح درست ہوں گے جس طرح امت کے ابتدائی گروہ کے حالات درست ہوئے تھے۔

یہی اِس معاملہ میں اصل رہنما اصول ہے۔ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کو امام مالک ابن انس کے اِس قول کو اپنا رہنما بنانا ہوگا۔ اِس کے سوا کوئی دوسری تدبیر اُن کے کام آنے والی نہیں۔ خواہ یہ تدبیریں کتنی ہی زیادہ مقدار میں کی جائیں۔ پرشور اخباری بیانات، جلسہ جلوس کے ہنگامے، بددعاؤں اور قنوت نازلہ کا اہتمام، سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس پر نفرت اور غصہ کی دھوم مچانا، اور سوسائڈ بامبنگ (suicide bombing) کے ذریعہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا، مفروضہ مسلم دشمن تاجروں کا بائیکاٹ، یرغمال (hostage) بنانے کا طریقہ، وغیرہ۔ ان طریقوں کو اختیار کرنے سے نہ اب تک کچھ ہوا ہے، اور نہ آئندہ کچھ ہونے والا ہے۔

یہ تمام طریقے صرف اپنے غصہ کا اظہار ہیں۔ اور اس دنیا میں غصے کے اظہار سے کبھی کسی کو کچھ نہیں ملتا۔ مطلوب نتیجہ صرف درست منصوبہ بندی کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے، نہ کہ نفرت اور غصہ کا اظہار کرنے سے۔

فطرت کا عطیہ

ایک حدیثِ رسول میں بتایا گیا ہے کہ ہر انسان کو اللہ کے سامنے 4 سوالوں کے جواب دینے ہوں گے: لاتزول قدم ابن آدم یوم القیامۃ من عند ربہ حتی یُسئل عن خمس (قیامت کے دن انسان کے قدم اس کے رب کے سامنے سے اس وقت تک نہ ہٹیں گے جب تک کہ وہ پانچ باتوں کا جواب نہ دے لے) ان پانچ باتوں میں سے ایک یہ ہے: عن شبابہ فیما ابلاہ (الترمذي، رقم الحدیث: 2416) جوانی کس چیز پر گزاری۔

بظاہر اس حدیث میں یہ ہے کہ اپنی جوانی کیسے گزاری۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس کو تخلیق کے اعتبار سے جو خاص صلاحیت عطا کی اس کو کہاں استعمال کیا۔ ہر عورت یا مرد جو پیدا ہو کر اس زمین پر آتا ہے، وہ اپنے اندر ایک خاص صلاحیت (unique quality) لے کر آتا ہے، خالق کو یہ مطلوب ہے کہ ہر ایک اپنی اِس صلاحیت کو دریافت کرے، اور اِس صلاحیت کو خدائی نقشہ کے مطابق بھرپور طور پر استعمال کرے۔ جو عورت یا مرد ایسا نہ کرے وہ یقینی طور پر آخرت میں اللہ کے یہاں پکڑے جائیں گے۔ آخرت میں ہر ایک کا معاملہ اس بنیاد پر ہوگا کہ اس نے اپنی خداداد صلاحیت (God given quality) کو صحیح طور پر استعمال کیا یا نہیں۔ جو انسان اِس زمین پر پیدا ہوتا ہے، اُس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دریافت کرے۔ وہ اِس دنیا میں اپنے رول کو سمجھے، اور اللہ کی ہدایت کے مطابق، اپنے اِس رول (کردار) کو پوری سنجیدگی کے ساتھ ادا کرے۔

جو شخص ایسا کرے، اُس کے لیے موت کے بعد آنے والی دنیا میں ابدی جنت ہے، اور جو شخص ایسا نہ کرے، اُس کے لیے دنیا میں بھی ناکامی ہے، اور آخرت میں بھی ناکامی۔ جس شخص نے اپنے لیے فطرت کے عطیے کو جانا، وہ ایک کامیاب انسان ہے۔ اِس کے برعکس جس شخص نے اپنے بارے میں فطرت کے عطیہ کو نہیں جانا، وہ خالق کے نزدیک اندھا بہرا ہے۔ ایسے عورت یا مرد کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔

آلاء اللہ کا مطلب

قرآن کی سورہ نمبر 55 میں ایک آیت 31 بار آئی ہے: فبأیّ آلاء ربّکما تکذبان (سورہ الرحمن) یعنی تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اِس آیت میں 'آلاء' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ آلاء کی واحد إلِيٌّ ہے۔عربی لغت میں عام طور پر اِس کے معنی ''نعمت'' بتائے گئے ہیں، مگر اِس سے مراد عام نعمت نہیں ہے۔اِس سے مراد وہ نعمت ہے جو تحیر خیز حد تک عظیم ہو۔قرآن میں آلاء کا لفظ دراصل پُراستعجاب نعمتوں (wondrous bounties) کے لیے استعمال ہوا ہے۔

سورہ الرحمن میں اللہ کی مختلف نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔اور اُس کے بعد بار بار یہ آیت آئی ہے کہ تم اللہ کی کِن کِن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔اِس آیت میں آلاء سے مراد پُراستعجاب نعمتیں ہیں، اور جھٹلانا (تکذیب) کا مطلب ہے اُس کو نظر انداز کرنا اور اپنے آپ کو اُس کا معترف نہ بنانا۔

یہی موجودہ دنیا میں انسانوں کی اکثریت کا حال ہے۔وہ ہر وقت اللہ کی انتہائی عظیم نعمتوں کو دیکھتے ہیں، لیکن اُن پر غور نہیں کرتے۔وہ اُن کو فار گرانٹیڈ (for granted) لیتے رہتے ہیں۔اِس بنا پر ایسا ہوتا ہے کہ پُراستعجاب نعمتیں بھی اُن کو غیر اہم نظر آتی ہیں۔اِن نعمتوں کے مقابلہ میں جو رسپانس (response) اُن کو دینا چاہئے، اُس کو دینے سے وہ قاصر رہتے ہیں۔

یہی انسان کا سب سے بڑا جرم ہے۔انسان کو عقل اِس لیے دی گئی کہ وہ اِن نعمتوں کو دیکھ کر اُن پر غور کرے، وہ اُن کا اعلیٰ اعتراف کرے، وہ اِن نعمتوں کے خالق کے آگے پوری طرح جھک جائے۔مگر انسان ایسا نہیں کرتا۔انسان کی یہ حقیقت فراموشی معاف نہیں کی جائے گی۔اِس فراموش رویہ کی بنا پر آخرت میں، اُس کی سخت پکڑ ہوگی۔البتہ جو لوگ اپنی عقل کو استعمال کریں اور حقیقت شناسی کی زندگی گزاریں، وہ آخرت میں اُس کا اعلیٰ انعام پائیں گے۔ایمانی زندگی دراصل عارفانہ زندگی کا دوسرا نام ہے۔عارفانہ زندگی یہ ہے کہ آدمی اللہ کی نعمتوں کو دریافت کرے، اور شکر واعتراف کے جذبے کے ساتھ زندگی گزارے۔

ایک آزمائش

قرآن کی سورہ نمبر 29 میں آزمائش کے ایک معاملہ کو اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ (العنکبوت:10) یعنی لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ پھر اللہ کی راہ میں اُس کو جب کوئی آزمائش پیش آتی ہے تو وہ انسانی آزمائش کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیتا ہے۔ اور اگر تمھارے رب کی طرف سے کوئی مدد آجائے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو تمھارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ اس سے اچھی طرح باخبر نہیں جو لوگوں کے دلوں میں ہے۔ قرآن کی اس آیت میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے، جو اپنے آپ کو مومن اور مسلم تو سمجھتے ہیں لیکن شعوری اعتبار سے وہ زیادہ پختہ نہیں ہوئے۔ اُن کا ذہنی ارتقا اِس درجہ کا نہیں ہوتا کہ وہ پیش آمدہ صورت حال کو کتاب اللہ کی روشنی میں جانچیں۔ وہ شبہہ پیدا کرنے والے واقعہ کا تجزیہ (analysis) کرکے اُس کی اصل نوعیت کو سمجھیں اور اپنے یقین کو بدستور برقرار رکھیں۔

داعی کے ذریعہ دین کی دعوت اٹھے اور ایک شخص ابتدائی طور پر اُس کو حق سمجھ کر اُس کا ساتھی بن جائے۔ تب بھی قانونِ فطرت کے مطابق التباس کا عنصر (element of doubt) کا امکان باقی رہے گا۔ مثلاً اجتماعی زندگی کی بنا پر شکایت کے مواقع پیدا ہوں گے، دوسروں کی طرف سے بر بنائے غلط فہمی مخالفتیں کی جائیں گی، حالات کے تحت آزمائش کی صورتیں پیدا ہوں گی، وقت کے بڑے اُس کے دشمن بن جائیں گے۔ ایسی صورت میں اگر آدمی کے اندر شعوری پختگی موجود ہو تو وہ انسانی آزمائشوں کا کتاب اللہ کی روشنی میں تجزیہ کر سکے گا، اور اِس طرح اپنے یقین کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوگا۔

اِس کے برعکس، اگر آدمی کے اندر شعوری پختگی نہ ہو تو وہ حالات کو دیکھ کر مشتبہ ہو جائے گا۔ وہ غلط طور پر یہ سمجھنے لگے گا کہ آزمائش کی جو صورت پیش آرہی ہے، اُس کی نوعیت انسان کی آزمائش کی نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ کی تنبیہہ ہے، اور اس بنا پر ہے کہ میں نے شاید ایک ایسے راستے کو اختیار کر لیا ہے، جو اللہ کا مطلوب راستہ نہیں۔ اس طرح وہ شبہہ میں پڑ کر داعی حق کا ساتھ چھوڑ دے گا۔

دعوت کی توسیع

کسی مشن کے دو دور ہوتے ہیں— استحکام (consolidation) اور توسیع (expansion)۔الرسالہ کا دعوتی مشن اللہ کے فضل سے استحکام کے دور سے گزر کر اب توسیع کے دور میں داخل ہوگیا ہے۔نہ صرف انڈیا میں بلکہ دوسرے ملکوں میں بار بار اس کی مثالیں سامنے آرہی ہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ 13 اکتوبر 2014 کی صبح کو ممبئی سے محبوب بھائی (Mob: 9619163993) کا ٹیلیفون آیا۔ممبئی میں پہلے شہر میں دعوتی کام شروع ہوا، اس کے بعد ممبئی کی ٹیم نے مہاراشٹر اسٹیٹ کے دوسرے مقامات کے لئے دعوتی سفر شروع کیا۔یہ منصوبہ کامیاب رہا۔اب ممبئی کی ٹیم نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ دعوتی توسیع کے اس کام کو ملکی سطح پر چلائیں گے۔اس نئے پروگرام کے تحت ممبئی کی ٹیم جلد ہی کلکتہ جانے والی ہے۔اس خبر پر مجھے بہت خوشی ہوئی، اور میں نے ان کے لئے دعائیں کیں۔خاص بات یہ ہے کہ یہ تمام پروگرام وہ لوگ کسی مرکزی ہدایت کے بغیر کررہے ہیں۔یہ کسی مشن کے زندہ مشن ہونے کا ثبوت ہے۔

میں نے محبوب بھائی سے کہا کہ آپ لوگ اسی طرح دعوتی توسیع کے میدان میں آگے بڑھئے، اِن شاء اللہ جلد ہی وہ وقت آئے گا جب کہ آپ لوگ عالمی (global) سطح پر دعوت کا یہ کام انجام دیں گے۔میں نے کہا کہ حیدرآباد میں ہمارے ایک ساتھی بابو بھائی (وفات: 1987) تھے، الرسالہ مشن سے ان کو نہایت گہرا تعلق تھا۔وہ اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے کہ دعوت کا منصوبہ آپ لوگ بنائیے، پیسہ مجھ سے لے جائیے۔میں نے کہا کہ یہی بات بے شمار گنا زیادہ بڑے پیمانے پر اللہ رب العالمین کے لئے درست ہے۔قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ داعیانِ حق کی مدد کرتا ہے۔

قرآن کی ایک آیت یہ ہے: ولینصرن اللہ من ینصرہ (الحج: 40) اور بے شک اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے۔قرآن کی اس آیت میں اللہ کی جس نصرت کا ذکر ہے، اس سے مراد دعوت الی اللہ ہے۔دعوت الی اللہ، اللہ رب العالمین کا سب سے زیادہ محبوب کام ہے۔

اس بنا پر اس کام کو اللہ نے اپنی مدد کرنا بتایا ہے۔

دعوت الی اللہ کے کام کو اللہ کی مدد کرنا بتایا گیا ہے، اس پہلو سے غور کیجئے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ قرآن کی اس آیت کے ذریعہ اللہ یہ اعلان کر رہا ہے کہ — اے بندے، تو دعوت کی پلاننگ کر، مددگار اسباب میری طرف سے تمھارے اوپر انڈیل دئے جائیں گے۔ محبوب بھائی سے میں نے کہا کہ ممبئی کو انڈیا کی کمرشیل راجدھانی کہا جاتا ہے۔ شاید اللہ نے یہ مقدر کر دیا ہو کہ ممبئی دعوت الی اللہ کے کام کی دعوتی راجدھانی بنے۔ موجودہ کمیونی کیشن کے زمانے میں یہ بات پوری طرح ممکن ہے۔ اس کے ممکن ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

الرسالہ کا دعوتی مشن پورے معنوں میں ایک مشن ہے، لیکن اس کی کوئی فارمل تنظیم (formal organisation) نہیں۔ اس مشن سے وابستہ لوگ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ہر ایک ذاتی جذبہ (self spirit) کے تحت کام کر رہا ہے۔ ہر ایک اس طرح کی سرگرمی کے ساتھ کام کر رہا ہے، گویا کہ یہ اس کا ذاتی کام ہے۔

ابتدائی زمانے کا واقعہ ہے، میں ایک عرب ملک میں تھا، وہاں ایک عرب شیخ نے پوچھا کہ آپ کا برنامج (پروگرام) کیا ہے۔ میں نے کہا: برنامجنا هو إعداد المبرمجين (ہمارا پروگرام، پروگرام ساز انسان بنانا ہے)۔

اللہ کے فضل سے آج یہ بات واقعہ بن چکی ہے۔ الرسالہ مشن کے افراد مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ معروف معنوں میں ان کا کوئی تنظیمی ڈھانچہ نہیں۔ وہ رسمی طور پر کسی مرکزی ہدایت سے بندھے ہوئے نہیں۔ اس کے باوجود ہر ایک سرگرم ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ الرسالہ مشن کوئی سیاسی مشن نہیں۔ الرسالہ مشن لوگوں کو جنت کی طرف بلانے کا مشن ہے۔ الرسالہ مشن قرآن کی اِس آیت کی یاددہانی ہے کہ **لمثل هذا فليعمل العاملون** (الصافات: 61)۔ اس جنتی نشانہ نے الرسالہ مشن کو ہر ایک کے لئے اس کے ذاتی انٹرسٹ کی چیز بنا دیا ہے۔

ہدایت اور ضلالت

قرآن بلاشبہہ کتابِ ہدایت ہے۔قرآن بتاتا ہے کہ اِس دنیا میں انسان کے لیے صراطِ مستقیم کیا ہے۔لیکن اِسی کے ساتھ قرآن میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قرآن سے ہدایت پانے کا انحصار اِس پر ہے کہ آدمی خود ہدایت کا طالب ہے یا نہیں۔ اِس حقیقت کو قرآن میں اِن الفاظ میں بتایا گیا ہے: یضل به کثیرا ویهدی به کثیراً وما یضل به إلا الفاسقین (2:26) یعنی اللہ قرآن کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو اس کے ذریعے سے راہ دکھاتا ہے۔اور وہ گمراہ کرتا ہے، اِس کے ذریعے اُن لوگوں کو جو نافرمانی کرنے والے ہیں۔

یہاں یہ سوال ہے کہ ایک ہی کتاب (قرآن) کس طرح ہدایت کا ذریعہ بھی بنتی ہے اور ضلالت کا ذریعہ بھی۔ یہ معاملہ اُس وقت سمجھ میں آتا ہے جب کہ یہ ذہن میں رکھا جائے کہ قرآن کا موضوع کیا ہے۔یہ فرق موضوع (subject) کے فرق کی بنا پر پیدا ہوتا ہے۔

علمی اعتبار سے، موضوع کی دو قسمیں ہیں — ایک سائنسی موضوع اور دوسرا انسانیاتی موضوع۔ سائنسی موضوع میں ریاضیات مدارِ استدلال ہوتی ہے۔ریاضیات میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی، اور اگر کوئی شخص اختلاف کرے تو نہایت آسانی کے ساتھ اس کو سٹل (settle) کیا جاسکتا ہے۔لیکن انسانیات (humanities) کا معاملہ اِس سے مختلف ہے۔ یہاں ہمیشہ اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے، اور اگر کوئی شخص اختلاف کرے تو اس کو ختم کرنے کی کوئی حتمی بنیاد نہیں ہوتی۔

مثال کے طور پر قرآن میں ہے: السارق والسارقة فاقطعوا أیدیهما (5:38)۔ بظاہر یہ ایک حکم ہے، لیکن لوگوں نے مختلف انداز میں اس کی تاویل کی ہے۔مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اُس سے مراد ہر سارق (چور) ہے اور کوئی کہتا ہے کہ اس سے مراد صرف عادی سارق ہے۔کوئی کہتا ہے کہ سارق کی صرف انگلی کاٹنا کافی ہے اور کوئی کہتا ہے کہ اس کا پورا ہاتھ کاٹنا ضروری ہے۔کوئی کہتا ہے کہ اِس آیت میں ''قطعِ ید'' کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں ہے اور کوئی کہتا ہے کہ قطعِ ید سے مراد علامتی قطع

ہے، نہ کہ حقیقی قطع، وغیرہ۔

قرآن کی آیتوں کی تاویل میں اِس قسم کا اختلاف ہمیشہ ممکن رہتا ہے۔ ایسا کوئی فارمولا نہیں جس سے اِس تفسیری تعدّد کو حتمی طور پر ختم کر دیا جائے، جس طرح دو اور دو چار کے معاملے میں ممکن ہوتا ہے۔ قرآن کے معاملے میں حتمی تاویل ایک انفرادی معاملہ ہے، یعنی جو شخص کسی تاویل کو مان لے، وہ اس کے لیے حتمی تاویل بن جائے گی، ورنہ نہیں۔

قرآن کے کلام کی نوعیت کسی کمی کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ وہ عین مطلوب ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن صرف بیانِ حقیقت (statement of fact) نہیں ہے، بلکہ وہ انسان کی سنجیدگی کا امتحان بھی ہے۔ قرآن اگر دو اور دو چار کی زبان میں ہوتا تو اس کے قاری کا امتحان نہیں ہوسکتا تھا۔ ایسی صورت میں قرآن میں جبر (compulsion) کا عنصر شامل ہوجاتا، اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جبر اور آزادانہ امتحان (test) دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن حقیقتِ واقعہ کا ایک اظہار ہے۔ اب جو شخص حقیقت کا سچا متلاشی ہو، یعنی وہ اِس معاملے میں آخری حد تک سنجیدہ ہو کہ اس کو سچائی کو دریافت کرنا ہے، اس کا یہ احساس ہو کہ اگر وہ سچائی کو دریافت کیے بغیر مرجائے تو اس کی موت ایک بدترین قسم کی ناکام موت ہوگی، تب وہ ضرور سچائی کو پالے گا۔

کسی شخص کے اندر اِس ذہن کا موجود ہونا اپنے آپ میں اِس بات کی ضمانت ہے کہ حقیقت جب اس کے سامنے ظاہر ہو تو وہ اس کے انکار کا تحمل نہ کر سکے۔ وہ اپنے سدا دِفکر (sound thinking) کی بنا پر التباس کے عناصر (elements of doubt) کا تجزیہ کر کے ان کو اپنے لیے غیر موثر بنا دے۔ ایسا شخص کبھی گمراہ نہ ہوگا۔ اس کا حال اُس انسان جیسا ہوجائے گا جس کے سامنے حقیقت آئے تو وہ فوراً اس کو پہچان لے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن میں تمثیل کی زبان میں یکاد زیتھا یضیئ ولو لم تمسسہ نار (24:35) کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ (24 جون 2014)

ایک انسانی کمزوری

انسان کی یہ ایک عام کمزوری ہے کہ وہ ملے ہوئے کو اپنے خانہ میں ڈال لیتا ہے اور نہ ملے ہوئے کو دوسرے کے خانہ میں۔ اس کا مہلک نتیجہ (disastrous result) یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے بارے میں بیجا فخر (false pride) میں مبتلا ہوجاتا ہے اور دوسرے کے بارے میں بیجا شکایت (false complaint) میں۔ اس کے بجائے یہ ہونا چاہئے کہ آدمی ملی ہوئی چیز کو عطیۂ الٰہی (divine gift) سمجھے اور نہ ملی ہوئی چیز کو اپنی کوتاہی کے خانہ میں ڈال دے۔ یہ دونوں عادتیں انسانی شخصیت کی تعمیر میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک عادت سے انسان کے اندر مثبت شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے، اور دوسری عادت سے، اس کے اندر منفی شخصیت بنتی ہے، اور اِس دنیا میں منفی شخصیت سے بری کوئی چیز نہیں۔

اِس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ آدمی مطالعہ اور غور وفکر کے ذریعہ اپنی معرفت کو بڑھائے۔ وہ اپنے آپ کو حقیقت شناسی کی وسعت تک پہنچائے۔ اس کو حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: اللھم أرنا الأشیاء کماھي (خدایا، مجھ کو اس قابل بنا کہ میں چیزوں کو ویسا ہی دیکھوں، جیسا کہ وہ ہیں)

آدمی کی یہ کمزوری ہے کہ وہ چیزوں کو ایز اٹ از (as it is) نہیں دیکھ پاتا۔ وہ اپنے بارے میں ضرورت سے زیادہ اندازہ (overestimation) کرتا ہے۔ اور دوسروں کے بارے میں ضرورت سے کم اندازہ (underestimation) میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ غیر حقیقت پسندانہ مزاج نہایت مہلک ہے۔ جو لوگ اِس غیر حقیقت پسندانہ مزاج کا شکار ہوں، اُن کے لیے یہ اندیشہ ہے کہ وہ دنیا میں ناکام ہوجائیں، اور آخرت میں بھی ناکام۔

صحیح یہ ہے کہ آدمی کے اندر اپنے بارے میں تواضع (modesty) کا مزاج ہو۔ یعنی اپنے آپ کو کم سمجھے، اور دوسروں کے بارے میں، اُس کے اندر اعتراف (acknowledgement) کا مزاج ہو۔ یہی مزاج اس دنیا میں، آدمی کی کامیابی کا ضامن ہے۔

خدا کی سنت

تخلیقی منصوبہ (creation plan) کے مطابق، خدا کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ خود واقعات کو ظہور میں لائے۔ خدا انسان کے لیے موقع (opportunity) فراہم کرتا ہے۔ یہ انسان کا اپنا کام ہے کہ وہ اِس موقع کو استعمال کر کے واقعے کو ظہور میں لائے۔ مثلاً خدا اپنے نظام کے تحت بارش برساتا ہے، وہ براہِ راست طور پر فصل نہیں اگاتا۔ یہ انسان کا اپنا کام ہے کہ وہ بارش سے پیدا شدہ موقع کو استعمال کرے اور زمین پر فصل اگائے۔ یہی معاملہ دعوت الی اللہ کا ہے۔ دعوت اہلِ ایمان پر فرض ہے، مگر ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ اپنے فرشتوں کو زمین پر بھیجے اور فرشتے براہِ راست طور پر دعوت کا کام انجام دیں۔ یہ اہلِ ایمان کی اپنی ذمے داری ہے کہ وہ مواقع (opportunity) کو پہچانیں اور ان کو استعمال کریں۔ مثال کے طور پر دعوت الی اللہ کا کام قدیم زمانے میں صرف مقامی طور پر ہوسکتا تھا، کیوں کہ اُس وقت عالمی ذرائع موجود نہ تھے، مگر موجودہ زمانے میں عالمی مواصلات (global communication) کے ذرائع وجود میں آ گئے ہیں۔ یہ تبدیلی اِس بات کا اشارہ ہے کہ قدیم زمانے میں دعوت اگر مقامی اعتبار سے فرض ہوتی تھی تو اب دعوت اہلِ ایمان کے لئے ایک عالمی فریضہ بن چکی ہے۔

قدیم زمانے میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا موجود نہیں تھا۔ عالمی جغرافیہ کا علم بھی لوگوں کو نہ تھا۔ آمد و رفت کے ذرائع بھی نہایت محدود تھے۔ اِن اسباب کی بنا پر قدیم زمانے میں مقامی دعوت سے بھی دعوت کا فریضہ ادا ہو جاتا تھا، مگر موجودہ زمانے میں یہ چیز لازمی فریضہ بن چکی ہے کہ اہلِ ایمان جدید عالمی ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے حق کی دعوت کو عالمی سطح پر پہنچائیں۔ مزید یہ کہ دعوت صرف اعلان (announcement) کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے حکمت اور خیر خواہی کے تقاضوں کی رعایت بھی ضروری ہے۔ اِس لیے موجودہ زمانے میں اہلِ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ دونوں کام انجام دیں — اہلِ عالم تک اللہ کے پیغام کو پہنچانا اور اہلِ عالم کے لیے کامل طور پر خیر خواہ بننا۔

دو ذمّے داری

آخرت کی نجات کے لیے کیا شرائط ہیں۔ اس کی دو شرطیں ہیں۔ ایک شرط وہ ہے جو مومن ہونے کی حیثیت سے آپ سے مطلوب ہے۔ دوسری شرط وہ ہے جو خاتم النبیین کا امتی ہونے کی حیثیت سے آپ کے اوپر عائد ہوتی ہے۔ پہلی شرط کا خلاصہ اس دعا میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: نرجو رحمتك ونخشى عذابك (كنز العمال: 21948) یعنی ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی نجات اس کے لیے ہے جو درجۂ رجاء میں خدا کی رحمت کا حریص ہو، اور درجۂ خشیت میں خدا کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہو۔

ایک شخص اگر اپنے بیٹے کے لیے بہتر مستقبل کا حریص ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ صرف زبان سے اس مفہوم کا جملہ بولتا ہے۔ اس کے لیے کچھ ظاہری کارروائی کر دیتا ہے۔ بلکہ جو شخص فی الواقع اپنے بیٹے کے لیے بہتر مستقبل چاہتا ہو وہ اس کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا نشانہ بنالے گا، وہ رات اور دن اسی کے لیے سوچے گا، وہ اپنے وقت اور اپنے مال اور اپنے تمام اثاثے کا بہترین استعمال یہ سمجھے گا کہ ان کو بیٹے کے مستقبل کی تعمیر میں لگا دے۔

اسی طرح جو شخص حقیقی معنوں میں خدا کی رحمت کا اور اس کی جنت کا حریص بن جائے، وہ اس کو کافی نہیں سمجھ سکتا کہ مخصوص اوقات میں اس مفہوم کے الفاظ اپنی زبان سے دہرا دے۔ یا وقتی طور پر کچھ رسمی اعمال ادا کر دیا کرے۔ اس کے برعکس، اس کا معاملہ یہ ہوگا کہ خدا کی رحمت اور جنت کا حریص بننا اس کی پوری شخصیت کے اوپر چھا جائے گا۔ اس کی سوچ اور اس کے جذبات اسی رخ پر چلنے لگیں گے۔ وہ اپنے تمام اثاثے کو اس کام کے لیے وقف کر دے گا کہ وہ ان کے ذریعہ سے اپنے لئے جنت کے حصول کو یقینی بنا سکے۔

اس سلسلے میں دوسری شرط وہ ہے جو خاتم النبیین کا امتی ہونے کی حیثیت سے مسلمان پر عائد ہوتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوگئی، مگر اسی کے

ساتھ دوسری سنگین حقیقت یہ ہے کہ کارِ نبوت کی ذمے داری بدستور باقی ہے، اور یہ کام بعد کی نسلوں کے اوپر، آپ کے امتیوں کو اُسی طرح کرنا ہے جس طرح پیغمبر آخر الزماں نے اپنی ہم عصر نسل کے اوپر کیا تھا۔

اسی عمل کا نام دعوت الی اللہ ہے۔ مسلمان کے اوپر لازم ہے کہ وہ اس دعوتی کام کو اس کے تمام تقاضوں کے ساتھ انجام دے، ورنہ سخت اندیشہ ہے کہ وہ قیامت میں خدا کی پکڑ کی زد میں آجائے۔

مسلمان ہونا کوئی فخر کی بات نہیں، بلکہ وہ ذمہ داری کی بات ہے۔ جو شخص مسلمان ہونے کی ذمے داری کو ادا کرے، وہی مسلمان ہے، اور جو شخص مسلمان ہونے کی ذمے داری کو ادا نہ کرے، اس کے لئے سخت اندیشہ ہے کہ وہ اللہ کے یہاں ایک ناقابلِ قبول انسان ٹھہرے، وہ اللہ کے یہاں مومن ومسلم کی حیثیت سے قبول نہ کیا جائے۔

سہارن پور (یوپی) میں مولانا وحید الدین خاں کی اردو، ہندی اور انگریزی کتابیں، قرآن مجید کے ترجمے، دعوتی لٹریچر اور ماہ نامہ الرسالہ حسب ذیل پتہ پر دستیاب ہیں:

Dr. M. Aslam Khan (Principal)
National Medical IGNOU Community College
38 Ayodhyapuram Mahipura Dehradun Road, Saharanpur, U.P.
www.nmicc.com, dr_aslm@rediff.com, +919997153735

بنگلور میں مولانا وحید الدین خاں کی اردو، ہندی اور انگریزی کتابیں، قرآن مجید کے ترجمے، دعوتی لٹریچر اور ماہ نامہ الرسالہ حسب ذیل پتہ پر دستیاب ہیں:

Centre for Peace, Bangalore
Tel. 080-22118978, Mob. 09060511653
Email.: thecentreforpeace@gmail.com

فریکونسی کا مسئلہ

اگر آپ کے پاس ریڈیو سیٹ تو ہو، لیکن ریڈیو اسٹیشن سے جس فریکونسی (frequency) پر پیغام نشر ہو رہا ہے، آپ کا ریڈیو سیٹ اس فریکونسی (frequency) پر کام نہ کرتا ہو تو آپ کے لئے وہ سیٹ بے کار ہے۔ جب تک آپ اپنے ریڈیو سیٹ کو مطلوبہ فریکونسی (frequency) پر نہیں لائیں گے، آپ ریڈیو اسٹیشن کی نشریات سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ (ماہ نامہ الشریعہ، پاکستان، مارچ 2005)

یہی معاملہ ربانی نشریات کا ہے۔ اس دنیا میں ہر لمحہ ربانی پیغام نشر ہو رہا ہے، ہر لمحہ یہ خاموش آواز آ رہی ہے کہ کیا کوئی سننے والا ہے جو سنے، کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے جو نصیحت لے۔ اگر آپ کا ذہن پہلے سے ان ربانی نشریات کو اخذ کرنے کے لیے تیار ہو تو آپ کا ذہن ان ربانی نشریات کو قبول کرے گا، اور اگر آپ کا ذہن تیار نہ ہو تو ربانی نشریات آئیں گی، اور آپ کے پاس سے گزر جائیں گی، لیکن آپ اس کو اخذ کرنے سے محروم رہیں گے۔

اِس دنیا میں ہر آدمی کو اپنے آپ کو شعوری طور پر تیار کرنا ہے۔ ہر آدمی کو ربانی نشریات کے لیے آخذ (recipient) بننا ہے۔ دنیا میں روحانی ترقی کا یہی واحد ذریعہ ہے۔ اِسی سے انسان کے اندر وہ شخصیت بنتی ہے، جس کو مزکّیٰ شخصیت (purified personality) کہا گیا ہے۔ جس آدمی کے اندر ربانی نشریات کو اخذ کرنے کا یہ مادہ نہ ہو، وہ کبھی روحانی اعتبار سے ترقی نہیں کر سکتا۔

قرآن میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: وَلَوْ عَلِمَ اللهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ (الانفال: 23) اور اگر اللہ ان میں خیر کو جانتا تو وہ ضرور ان کو سناتا۔ یہاں جو بات متعدی کے صیغے (transitive form) میں کہی گئی ہے، وہ لازم کے صیغے (intransitive form) میں مطلوب ہے، یعنی اگر ان کے اندر صلاحیت ہوتی تو وہ ضرور ہدایت کو پا لیتے۔ گویا کہ یہ مسئلہ فقدانِ صلاحیت کا ہے، نہ کہ فقدانِ ہدایت کا۔ (20 جون 2014)

پیغمبر کا اُسوہ

قرآن کی سورہ نمبر 12 میں حضرت یوسف کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اِس قصے کو قرآن میں احسن القصص (یوسف: 2) کہا گیا ہے۔ اِس قصے کے 'احسن القصص' ہونے کے کئی پہلو ہو سکتے ہیں، لیکن اُس کا ایک پہلو، حضرت یوسف کا وہ طریق کار ہے جو انھوں نے بادشاہِ وقت کے معاملے میں اختیار کیا۔

اِس طریقِ معاملہ کو قرآن میں اس طرح بتایا گیا ہے کہ بادشاہِ مصر نے حضرت یوسف کی شخصی صلاحیت سے متاثر ہو کر اُن سے کہا کہ تم کو میری سلطنت کے خزائن پر اختیار ہوگا، تاہم جہاں تک ملک کے قانونی نظام کا تعلق ہے، اُس میں حسبِ سابق، بادشاہ کا قانون جاری رہے گا۔ اِس بات کو بائبل میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے:

''اور فرعون (شاہِ مصر) نے یوسف سے کہا: چوں کہ خدا نے تجھے یہ سب کچھ سمجھا دیا ہے، اِس لیے تیری مانند دانشور اور عقل مند کوئی نہیں۔ سو، تو میرے گھر کا مختار ہوگا، اور میری ساری رعایا تیرے حکم پر چلے گی۔ فقط تخت کا مالک ہونے کے سبب سے میں بزرگ تر ہوں گا''۔ (پیدائش 40-39 :41)

حضرت یوسف کے زمانے میں مصر کا جو بادشاہ تھا، وہ مُنفعل مزاج کا آدمی تھا۔ عام بادشاہوں کی طرح وہ جارحانہ مزاج کا انسان نہ تھا۔ چناں چہ وہ راضی ہو گیا کہ تخت کا مالک وہ رہے، لیکن اُمورِ سلطنت کو حضرت یوسف انجام دیں۔ حضرت یوسف نے بادشاہ کی اِس پیش کش کو قبول کر لیا۔ بادشاہ کے برائے نام اقتدار کے تحت، وہ اپنا پیغمبرانہ مشن چلاتے رہے۔

قرآن کے مطابق، ہر پیغمبر کا عمل ہمارے لیے یکساں طور پر درست نمونہ ہے۔ (الأنعام: 90) اِس بنا پر حضرت یوسف کا نمونہ بھی ہمارے لیے اتنا ہی قابلِ اتّباع ہے، جتنا کہ پیغمبر اسلام یا اور کوئی پیغمبر کا نمونہ۔ یہ نمونہ اِس اصول پر مبنی ہے کہ اگر سیاسی حاکم اصل مشن میں کوئی رکاوٹ نہ

ڈالے تو اُس سے ٹکراؤ نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اُس کو تسلیم کرتے ہوئے اُس کے تحت، اپنے کام کی منصوبہ بندی کی جائے گی۔

حضرت یوسف کو یہ موقع اِس لیے ملا تھا کہ ان کا مُعاصر بادشاہ منفعل مزاج کا آدمی تھا۔ موجودہ زمانے میں اب یہ معاملہ کسی کے شخصی مزاج کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ یوسفی اصول اب عالمی طور پر تسلیم شدہ اصول (universally accepted norm) کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ اب اس دورِ آزادی میں تمام حکمرانوں نے یہ مان لیا ہے کہ وہ اپنے مخصوص سیاسی دائرے کے باہر کسی معاملے میں تعرّض نہیں کریں گے۔ لوگوں کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے امور کی تنظیم کریں، صرف ایک شرط کے ساتھ کہ وہ دوسروں کے خلاف تشدد کا کوئی فعل نہیں کریں گے۔

حضرت یوسف کے زمانے میں جو چیز استثنائی موقع کی حیثیت رکھتی تھی، وہ اب عمومی موقع کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ اِس موقع کو دعوتِ حق کے لیے استعمال کرنا، پیغمبر کے طریقے کی پیروی ہے۔ اور اِس کے خلاف عمل کرنا، پیغمبر کے طریقے سے انحراف کے ہم معنیٰ ہے۔

ہندی ترجمہ قرآن

ہندی زبان میں صدر اسلامی مرکز کے دو ترجمے شائع ہو چکے ہیں— ایک، قرآن کا آسان ہندی ترجمہ۔ دوسرا، قرآن کا خالص ہندی ترجمہ۔ یہ نیا ترجمہ قرآن خاص طور پر برادرانِ وطن کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اِس ترجمہ قرآن کو زیادہ سے زیادہ برادرانِ وطن تک پہنچا کر اپنا دعوتی فریضہ انجام دیں۔

بھوپال میں ماہ نامہ الرسالہ اور مطبوعات الرسالہ کے لیے حسب ذیل پتے پر رابطہ قائم فرمائیں:

Mr. Bilaluddin
Al-Quran Mission
48, Aamwali Masjid, Jahangirabad, Bhopal (M.P.)
Mob. 09755300295, 07556542231

الرسالہ مشن کا دوسرا دور

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشن کا آغاز مکہ میں کیا۔ تیرہ سال کے بعد آپ نے مکہ سے ہجرت کیا اور مدینہ میں قیام فرمایا۔ جب آپ مدینہ کی سرحد پر پہنچے، اس وقت اہلِ مدینہ کے ایک گروہ نے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر بھی تھے۔ دونوں کو خطاب کرتے ہوئے اہلِ مدینہ نے کہا: أدخلا آمنَين مطاعَين (مسند احمد، رقم الحدیث: 12234) یعنی آپ دونوں مدینہ میں داخل ہوجائیں، آپ دونوں کے لیے یہاں امن ہے، اور آپ دونوں ہمارے لیے قابلِ اتباع ہیں۔

مدینہ میں اس حیثیت سے آپ کا استقبال کیوں کر ممکن ہوا۔ وہ قبل از ہجرت عمل کی بنا پر ممکن ہوا تھا۔ ہجرت سے پہلے کچھ اصحاب مدینہ گئے، وہاں وہ لوگوں کے سامنے قرآن کی دعوت پیش کرتے رہے۔ اس وقت مطبوعہ قرآن موجود نہ تھا، اس لئے وہ اپنے حافظہ سے لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناتے رہے۔ اس بنا پر وہ وہاں مقری کہے جاتے تھے۔ یہ گویا ہجرت سے پہلے ابتدائی تیاری کا معاملہ تھا۔ اس ابتدائی تیاری کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ مدینہ میں اسلام گھر گھر میں داخل ہوگیا۔ جیسا کہ روایت میں آیا ہے: لم تبق دار من دور الأنصار إلا وفيها ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم (السيرة النبوية لابن كثير: 2/179) یعنی مدینہ کے گھروں میں سے کوئی گھر نہ بچا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا نہ ہو رہا ہو۔

یہ معاملہ جو مدینہ میں پیش آیا، وہ بھی رسول اور اصحابِ رسول کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ کوئی دعوتی مشن اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے، جب کہ اس کے افراد اس سنت پر منظم انداز میں عمل کریں۔ وہ مشن سے پہلے قبلِ مشن (pre-mission) کی اہمیت کو سمجھیں، اور اس پر عمل کریں۔ یہ عمل صرف اس وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب کہ وہ پرامن ہو اور اس کو مکمل طور پر لو پروفائل (low profile) کے انداز میں انجام دیا جائے۔

اللہ کے فضل سے الرسالہ مشن کے ساتھ ایسے ہی معاملہ پیش آیا۔ اسلامی مرکز 1970 میں قائم ہوا۔ اس کے بعد ماہ نامہ الرسالہ 1976 میں جاری ہوا۔ اس طرح یہ دعوتی مشن تقریباً چالیس سال تک برابر چلتا رہا۔ اس کے بعد اس کے معاون کے طور پر الرسالہ انگریزی، فروری 1984 میں جاری ہوا جو کہ اب ماہ نامہ اسپرٹ آف اسلام کی صورت میں بنگلور سے نکل رہا ہے۔ اس درمیان دوسرے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بھی بقدر امکان کام ہوتا رہا۔

یہ گویا ابتدائی تیاری کا عمل تھا، جو تقریباً چالیس سال تک جاری رہا۔ اس مسلسل کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہر جگہ ایسے لوگ قابل لحاظ تعداد میں موجود ہیں، جو پابندی کے ساتھ الرسالہ کا مطالعہ کررہے ہیں۔ نیز انھوں نے الرسالہ مشن کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کو بھی وسیع پیمانے پر پڑھا ہے۔ ایسے افراد اور ایسے حلقے نہ صرف انڈیا میں، بلکہ مختلف ملکوں میں بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ انڈیا کے اندر اور انڈیا کے باہر ایسے لوگ وسیع پیمانے پر متحرک ہوگئے ہیں۔ وہ ہر جگہ مختلف طریقوں سے اس مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ کام کسی مرکزی ہدایت یا کنٹرول کے بغیر خود اپنے جذبہ (spirit) کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ہر جگہ بڑی تعداد میں ایسے لوگ ہیں جو لأجل الله (for the sake of God) اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ وہ جدید حالات کے لحاظ سے نئے طریقوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کررہے ہیں۔ یہ کام انتہائی حد تک غیر سیاسی (non-political) انداز میں انجام دیا جارہا ہے۔

یہ گویا مذکورہ سنت رسول کا احیاء ہے۔ دونوں کے درمیان اگر فرق ہے تو وہ صرف ظاہر کے اعتبار سے ہے، نہ کہ اسپرٹ کے اعتبار سے۔ اس سنت پر عمل، قدیم زمانے میں اُس وقت کے حالات کے مطابق کیا گیا تھا۔ موجودہ زمانے میں اِس سنت پر عمل، جدید حالات کے اعتبار سے انجام پا رہا ہے۔ اس سنت پر عمل کا نتیجہ پہلے قدیم حالات کے اعتبار سے ظاہر ہوا تھا۔ موجودہ زمانے میں اس سنت پر عمل کا نتیجہ جدید حالات کے اعتبار سے پیش آرہا ہے۔

امتِ مسلمہ کا کیس

ڈاکٹر محمود احمد غازی (وفات: 2010) نے 2 جنوری 2005 کو ایک تقریر کی۔ اِس تقریر کا اہتمام الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ (پاکستان) نے کیا تھا۔ اِس تقریر کا عنوان یہ تھا: مغرب کا فکری وتہذیبی چیلنج اور علماء کی ذمہ داریاں''۔ یہ تقریر 22 صفحات پر مشتمل ہے۔ تقریر کا آخری پیراگراف یہ ہے:

''اپنی اِس تلخ نوائی کو میں ایک فارسی شعر پر ختم کرتا ہوں، فارسی کا شعر ہے:

نوائے من ازاں پُرسوز وبے باک وغم انگیز است
کہ خاشاکم درِ شعلہ افتاد وبادِ صبح دم تیز است

یعنی میں اِس لیے تلخ باتیں کر رہا ہوں کہ میرے آشیانے کو آگ لگ گئی ہے، اور ہوا تیز ہے اور مجھے جلدی بچانے کی ضرورت ہے۔ امرِ واقعہ یہی ہے کہ آشیانے کو آگ لگ چکی ہے اور بادِ صبح دم تیز ہے۔ آشیانہ جل جانے کا خطرہ ہے اور بہت جلد اس کو بچانے کی ضرورت ہے''۔ (ماہ نامہ الشریعہ، مارچ 2005)

موجودہ زمانے کے تمام علماء اور مسلم رہنما اِسی قسم کی منفی بات کرتے ہیں۔ ہر ایک کو امتِ محمدی کا ''آشیانہ'' جلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ طرزِ فکر یقینی طور پر غیر اسلامی ہے، کیوں کہ وہ اسوۂ محمدی کے خلاف ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ساتویں صدی عیسوی کے نصف اول کا زمانہ ہے۔ جب آپ کی بعثت ہوئی تو مکہ پر مشرکین کا قبضہ تھا۔ کعبہ کو عملاً بت خانہ بنا دیا گیا تھا۔ مدینہ پر یہودیوں کا دبدبہ قائم تھا۔ جزیرہ نمائے عرب کے اطراف میں بازنطینی حکومت اور ساسانی حکومت قائم تھی جو کھلے طور پر اسلام کی حریف (rival) بنی ہوئی تھی۔ اِس کی ایک مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک دعوتی مکتوب ایک صحابی کے ذریعے ایران کے حکمراں کسری کے پاس بھیجا۔ اس نے آپ کے مکتوب کو پھاڑ کر پھینک دیا اور کہا: یکتب إليّ بهذا وهو عبدي (البدایۃ والنہایۃ: 4/307) یعنی وہ میرے پاس ایسا خط بھیجتا ہے، حالاں کہ وہ میرا غلام ہے۔ یہ حالات اُن حالات سے ہزاروں گنا زیادہ شدید تھے جو موجودہ زمانے میں مسلمانوں کو پیش آ رہے ہیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اُن کو لے کر منفی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا۔ ایسی حالت میں مسلم رہنماؤں کو چاہیے کہ وہ اپنی سوچ کو بدلیں، نہ کہ وہ دوسروں کے خلاف احتجاج کریں۔

غلو کیا ہے

غلو کا لفظی مطلب ہے انتہا پسندی (extremism)، یعنی کسی حکم شرعی میں مطلوب حد سے تجاوز کرنا۔ حد سے تجاوز کرنے کی یہ سوچ کب پیدا ہوتی ہے۔ یہ دراصل شفٹ آف ایمفیسس (shift of emphasis) کا نتیجہ ہوتا ہے، یعنی جس چیز پر جتنا زور دینا چاہئے، اس پر اس سے زیادہ زور دینا۔ مثلاً اسلام میں سیاست کا مقام صرف جزئی یا اضافی ہے، مگر اس کو اتنا بڑھانا کہ سیاست ہی کی بنیاد پر پورے دین کی تعبیر وتشریح کی جائے، یہ حد سے تجاوز کرنا ہے اور اس تجاوز کو غلو کہا جائے گا۔

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ آپ دعوت اور متعلقات دعوت پر اتنا زور دیتے ہیں، وہ بھی غلو کی تعریف میں آتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ دعوت الی اللہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ پیغمبر کی اہم ترین سنت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر کی بعثت ہی اس کے لئے ہوئی۔ مگر موجودہ زمانے میں یہ ہوا کہ مدعو قوموں کو مسلمانوں نے اپنا رقیب یا حریف (rival) سمجھ لیا۔ اس بنا پر ان کے اندر دعوت کا محرک (incentive) ختم ہو گیا۔ اس لئے ہم اس سنت نبوی کو زندہ کرنے کے لئے اس پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ اس کو ایمفیسس (emphasis) کہا جائے گا، نہ کہ شفٹ آف ایمفیسس (shift of emphasis)۔

غلو کبھی اصل دین میں نہیں ہوتا، غلو جب بھی ہوتا ہے، وہ ظواہر دین میں ہوتا ہے۔ اصل دین میں شدتِ بیان ہمیشہ مطلوب ہوتی ہے۔ اصل دین میں یہ شدتِ بیان خود قرآنی اسلوب ہے، اور یہی اسلوب ہم کو احادیث میں ملتا ہے۔

اصل دین میں شدتِ بیان کا یہ فائدہ ہے کہ اس سے آدمی کے اندر روحِ دین زندہ ہوتی ہے، اور روحِ دین کے زندہ ہونے سے دین کے تمام پہلو اپنے آپ زندہ ہو جاتے ہیں۔ روح دین میں شدت کا طریقہ ہی مطلوب طریقہ ہے، البتہ جو ظواہر دین ہیں، ان میں شدت کے بجائے نرمی کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اسی فرق کو جاننے کا نام حکمتِ دین ہے۔

حیاتِ انسانی کی توجیہہ

انسان کے بارے میں سوچنے کے دو طریقے ہیں — ایک ہے فرد (individual) کو لے کر سوچنا اور دوسرا ہے اجتماعی نظام (social system) کو لے کر سوچنا۔ اگر آپ یہ بتانا چاہیں کہ ایک انسان اپنی انفرادی سطح پر کس طرح سوچے، عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے اس کا نشانہ کیا ہو۔ اِس طرح اگر آپ کسی شخص کے انفرادی رویّے کے بارے میں ایک نقطہ نظر متعین کرنا چاہیں تو آپ بآسانی اس کا تعین کر سکتے ہیں۔ کوئی شخص خواہ اس کو مانے یا نہ مانے، لیکن جہاں تک آپ کے نقطہ نظر کی بات ہے، وہ کسی کنفیوزن کے بغیر ایک واضح بات ہوگی۔

اجتماعی نظام یا مجموعہ کا معاملہ اِس سے مختلف ہے۔ اجتماعی نظام کی کوئی واحد صورت بنانا ممکن نہیں، کیوں کہ اجتماعی نظام کا کوئی قابل عمل نقشہ صرف اس وقت بن سکتا ہے جب کہ ہر شخص اُس کو یکساں طور پر مانے۔ مگر انسان کی اجتماعی زندگی کی تشکیل اِس طرح ممکن نہیں ہوتی، اِس لیے انسان کی اجتماعی زندگی کا کامل معنوں میں کوئی یکساں نظام بنانا بھی ممکن نہیں۔

ایسی حالت میں ضروری ہے کہ زندگی کے دونوں شعبوں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے دیکھا جائے۔ فرد کے معاملہ کو آئیڈیل سے جانچا جائے۔ لیکن جہاں تک اجتماعی زندگی کا معاملہ ہے، اُس کے معاملہ میں آئیڈیل کے بجائے یہ دیکھا جائے کہ عملاً کیا چیز ممکن ہے اور کیا چیز ممکن نہیں۔ ایک فرد سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ تم اِس طرح رہو، لیکن مجموعے پر اس کو عملاً نافذ کرنا ممکن نہیں۔ جو لوگ یہ غلطی کریں کہ وہ فرد اور مجموعہ دونوں کو ایک معیار (yardstick) سے جانچیں، وہ یقیناً مایوسی کا شکار ہو جائیں گے، وہ کبھی اپنے عمل کی صحیح منصوبہ بندی نہ کر سکیں گے۔ فرد اور اجتماع کی یہ تقسیم بے حد اہم ہے۔ کوئی تحریک اسی وقت نتیجہ خیز ہو سکتی ہے، جس میں اس فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ جس تحریک میں اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے، وہ تحریک عملاً بے نتیجہ ہو کر رہ جائے گی۔ ظاہری دھوم کے باوجود وہ سماج کو کوئی مثبت چیز نہ دے سکے گی۔ کسی عمل کے درست ہونے کا معیار یہ ہے کہ اس کو نتیجہ کے اعتبار سے جانچا جائے۔

ترتیبِ قرآن

قرآن 23 سال کی مدت میں نجماً نجماً (قسط وار) اترا۔ قرآن میں پہلے وہ سورتیں نازل ہوئیں جن کو مکی سورتیں کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد قرآن کی وہ سورتیں نازل ہوئیں جن کو مدنی سورتیں کہا جاتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری زمانے میں قرآن کو جس انداز میں مرتب کرکے امت کے حوالے کیا، وہ نزولی ترتیب سے مختلف تھا۔ یہاں یہ سوال ہے کہ کیوں ایسا ہے کہ قرآن میں تلاوت کی ترتیب اُس سے مختلف ہے جو نزول کے اعتبار سے اُس کی ترتیب تھی۔

اِس کا سبب یہ ہے کہ قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔ قرآن اصلاحِ انسانیت کی کتاب ہے۔ اِسی اصلاح کی حکمت کی بنا پر، ابتدائی دور میں قرآن اپنے معاصر حالات (contemporary situation) کے اعتبار سے اترا۔ لیکن بعد کو اُس کی ترتیب، ابدی حالات کے اعتبار سے کی گئی۔ یعنی وہ حالات جو بعد کے زمانے میں انسانیت کو پیش آنے والے تھے۔

ترتیب کا یہ فرق بالکل فطری ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکہ اور مدینہ کے جو حالات تھے، اُن حالات کی نسبت سے قرآن کی آیتیں اور سورتیں وقت وقت پر اترتی رہیں۔ لیکن قرآن ساری انسانیت کے لیے ہے۔ نزول کے اعتبار سے اُس میں معاصر حالات کی رعایت تھی۔ مگر موجودہ ترتیب میں وہ اِس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ وہ بعد کے حالات پر منطبق ہوتا رہے۔

مثال کے طور پر، بعد کے زمانے میں عملی طور پر ایسا ہونے والا تھا کہ امتِ مسلمہ قرآن کی مخاطب بن جائے، اِس لئے موجودہ مصحف میں اُن سورتوں کو مقدم کردیا گیا ہے، جن میں زوال یافتہ یہود کا ذکر تھا، تاکہ مسلمان اپنے دورِ زوال میں یہود کے حالات سے سبق لیں اور اپنی اصلاح کرسکیں، حالانکہ یہ سورتیں مدنی سورتیں تھیں، جو کہ بعد کے زمانے میں نازل ہوئیں۔

پیغمبر متّبعِ قرآن

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا کلام لفظی طور پر پیغمبر کے اوپر اترا۔ اِسی کے ساتھ پیغمبر کو یہ حکم دیا گیا کہ تم خود سب سے پہلے اُس کے پیرو بنو (الانعام: 14)۔ فرمایا کہ اتبع ما أوحي إليك من ربك (الانعام: 106) یعنی تم اُس چیز کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تم پر وحی کی جارہی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآن کا لفظی ریکارڈ تو مصحف کی صورت میں موجود ہے۔ دوسری چیز یعنی پیغمبر کا اتباعِ قرآن، اُس کا ریکارڈ کہاں ہے؟ جیسا کہ معلوم ہے، خود قرآن میں پیغمبر کے اتباعِ قرآن کا ریکارڈ نہیں۔ پھر یہ ریکارڈ کہاں ہے۔ یہ ریکارڈ واضح طور پر احادیث کے اُس ذخیرہ میں ہے، جس کو سنت رسول کہا جاتا ہے، اور جس کو قرآن میں اسوۂ رسول (الاحزاب: 21) بتایا گیا ہے۔

قرآن، دینِ الٰہی کے نظریاتی حصہ کی وضاحت ہے۔ لیکن قرآن صرف ایک نظریہ کی کتاب نہیں۔ قرآن میں بار بار کہا گیا ہے کہ اے لوگو، قرآن کی اتباع کرو۔ اتباع کرنے کے لیے لازمی طور پر ضروری ہے کہ اُس کا ایک عملی نمونہ (role model) موجود ہو۔ تمام قرائن کے مطابق، یہ عملی نمونہ وہی ہے جو رسول کی سنت کی شکل میں حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ سنت رسول کے سوا، کوئی اور چیز تعلیمات قرآن کے لیے عملی ماڈل نہیں بن سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ نے اپنا کلام اتارا، تو عین اُس کے فطری تقاضے کے مطابق ضروری تھا کہ اُس کا ایک عملی ماڈل بھی موجود ہو۔ عملی ماڈل کے بغیر قرآن کی حیثیت ایک مجرد نظریاتی کتاب کی ہوجائے گی۔ اُس کی حیثیت انسان کے لیے ایک رہنما کتاب (گائڈ بک) کی نہ ہوگی۔ حالانکہ اگر ایسا ہو کہ قرآن مجرد معنوں میں صرف ایک نظریاتی کتاب ہو، انسان کے لیے یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو کہ مستند طور پر اُس کی انطباقی صورت (applied version) کہاں ہے، تو ایسی حالت میں قرآن اُس کے لیے عملاً ایک گائڈ بک نہیں بن سکتا۔

غلبہ، اہلِ حق کے لیے

حضرت موسیٰ کے زمانے میں، جب بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ تم فلسطین میں داخل ہوجاؤ تو اِس پر بنی اسرائیل کے درمیان تذبذب ہوا۔ اس وقت بنی اسرائیل کے ایک صاحبِ ایمان نے اپنی قوم سے کہا کہ: ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (المائدۃ: 23) انھوں نے کہا کہ تم شہر میں داخل ہوجاؤ، جب تم اس میں داخل ہوجاؤ گے تو تم ہی غالب ہوگے، اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔

اِس آیت میں ''دخول پر غلبہ'' کے جس معاملہ کا ذکر ہے، وہ صرف بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک منفرد واقعہ نہیں ہے، بلکہ وہ ایک عمومی اصول ہے۔ عمومی اعتبار سے اِس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ حق کی برتر آئیڈیالوجی اِس بات کی ضامن ہوتی ہے کہ وہ ہر جگہ ان کے لیے غلبہ کا ذریعہ بن جائے۔ اسلام کے دورِ اول میں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ رسول اور اصحابِ رسول جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں داخل ہوئے تو قرآن کی آئیڈیالوجی ان کے لیے پرامن غلبہ کا ضامن بن گئی۔

وسیع تر انطباق (extended application) کے اعتبار سے یہ اصول موجودہ زمانہ میں مزید اضافہ کے ساتھ صادق آتا ہے۔ موجودہ زمانے کا ایک نیا ظاہرہ وہ ہے، جس کو کانفرنس کہتے ہیں۔ یہ اجتماعات موجودہ زمانے میں ہر جگہ بڑے پیمانے پر ہورہے ہیں۔ امن کانفرنس، انٹرفیتھ ڈائیلاگ، اور اسی طرح عیدملن اور روزہ افطار جیسے بہت سے اجتماعات ہیں، جو برابر مختلف عنوانات کے تحت ہوتے رہتے ہیں۔ ان اجتماعات میں تعلیم یافتہ لوگ بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔

اس قسم کے اجتماعات، حق کے داعیوں کے لیے عظیم مواقع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ان میں شریک ہوکر لوگوں تک اپنا پیغام پہنچا سکتے ہیں، اور اس طرح کے معروف عنوانات کے تحت وہ خود بھی اپنی طرف سے ایسے اجتماعات کا انتظام کرسکتے ہیں۔ ان کی برتر آئیڈیالوجی اس بات کی ضامن ہے کہ وہ ہر جگہ غالب رہیں گے۔

تنقید یا الزام تراشی

کسی شخص کو غلط بتانے کے لیے جب آپ کے پاس کوئی دلیل نہ ہو بلکہ صرف الزام ہو تو سمجھ لیجیے کہ آپ خود غلطی پر ہیں— عقل اور اسلام دونوں کا تقاضا ہے کہ آدمی کسی کے خلاف بولے تو صرف اُس وقت بولے، جب کہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے اُس کے پاس کوئی حقیقی دلیل ہو۔ اگر اُس کے پاس حقیقی دلیل نہیں ہے، اور وہ عیب زنی اور الزام تراشی کی زبان میں اپنی بات پیش کر رہا ہے تو یہ بلاشبہہ ایک عظیم گناہ ہے۔ وہ انسان کو قتل کرنے کے ہم معنی ہے۔ ایسے شخص سے آخرت میں کہا جائے گا کہ تم دوسرے کے خلاف جو الزام لگاتے تھے، اُس کو دلیل سے ثابت کرو اور جب وہ اپنی بات کو دلیل سے ثابت نہ کر سکے گا تو اُس سے کہا جائے گا کہ جو الزام تم نے دوسرے کے اوپر لگایا تھا، اُس کی سخت تر سزا تم خود بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

عیب زنی اور الزام تراشی کے لیے، صحیح لفظ کردار کشی (character assassination) ہے۔ کسی کے خلاف الزام تراشی کرنا، اُس کو کردار کے اعتبار سے قتل کرنے کے ہم معنی ہے۔ یہ جسمانی قتل سے کم گناہ نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مومن پر دوسرے مومن کی تین چیزیں حرام ہیں۔ اُس کا خون، اُس کا مال، اور اُس کی عزت (کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وماله وعرضه) صحیح مسلم، رقم الحدیث: 6706۔ اِس حدیث میں بظاہر مسلم کا لفظ ہے۔ لیکن وسیع تر انطباق کے اعتبار سے، اس کا تعلق ہر انسان، ہر عورت اور ہر مرد سے ہے۔ جو آدمی اِس بات کو جانتا ہو کہ آخر کار اُس کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے، وہ اِس معاملہ میں کانپ اٹھے گا۔ وہ اِس حرام فعل سے، اُس سے بھی زیادہ بچے گا جتنا کہ کوئی شخص سانپ اور بچھو سے بچتا ہے۔

تنقید (criticism) ہر انسان کا ایک جائز حق ہے۔ مگر تنقید کو لازماً مبنی بر دلیل ہونا چاہئے۔ جس تنقید کے ساتھ دلیل شامل نہ ہو، وہ سخت گناہ ہے۔ علمی تنقید بلاشبہہ ایک خیر ہے، مگر غیر علمی تنقید بلاشبہہ ایک شر۔

آخر میں قبر

قرآن کی سورہ نمبر 102 میں انسان کے لئے ایک نہایت نصیحت کی بات کہی گئی ہے۔ وہ یہ کہ انسان ساری کوشش کرکے دولت کا ڈھیر اکٹھا کرتا ہے مگر آخر میں اس کے اپنے حصہ میں جو چیز آتی ہے وہ صرف قبر کا گڑھا ہے (سورہ التکاثر)۔ یہ تبصرہ انسان کی پوری تاریخ پر درست ثابت ہوتا ہے۔ اس دنیا میں ہر عورت اور مرد کا یہ حال ہے کہ وہ بظاہر بہت زیادہ حاصل کرتا ہے، لیکن عملاً اس کے اپنے حصہ میں بہت تھوڑا آتا ہے۔

اس معاملہ کی ایک عبرت انگیز مثال یہ ہے کہ امریکا کے مشہور دولت مند بل گیٹس (Bill Gates) نے اتنا زیادہ کمایا کہ وہ دنیا کے سب سے زیادہ دولت مند انسان بن گئے، لیکن آخر میں ان کو محسوس ہوا کہ یہ ساری دولت صرف ایک خارجی ڈھیر ہے۔ اُن کے اپنے لئے ایک ''سینڈوچ'' کے سوا اور کچھ نہیں۔ انھوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا:

I can understande wanting to have a million dollars... but once you get beyond that, I have to tell you, it's the same hamburger.

ایک شخص کتنا ہی بڑا محل بنائے، اس کے اپنے حصہ میں محل کا صرف ایک کمرہ آتا ہے۔ کوئی بادشاہ کتنی ہی بڑی سلطنت قائم کرے اس کے بیٹھنے کے لئے صرف ایک تخت ہوتا ہے۔ کوئی شخص عالمی شہرت کا مالک بن جائے لیکن عملاً اس کے رہنے کے لئے ایک چھوٹی سی دنیا ہوتی ہے، وغیرہ۔ ایسی حالت میں حقیقت پسندی یہ ہے کہ آدمی جنت کو اپنی منزل بنائے نہ کہ دنیا کی کسی چیز کو۔

دنیا کے اعتبار سے دیکھا جائے تو انسان کا آخری مقام صرف قبر نظر آتا ہے، لیکن آخرت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو انسان کے لئے کامیابی کی ایک ایسی دنیا کھلی ہوئی ہے، جس کی کوئی حد نہیں۔ عقل مند وہ ہے جو دنیا سے بقدر ضرورت لے، اور اپنے حوصلوں اور تمناؤں کا نشانہ آخرت کو بنائے۔ یہی کسی انسان کے لئے حقیقت پسندی بھی ہے اور دانش مندی بھی۔

دینی نہیں بلکہ قومی

قرآن کی سورہ نمبر 3 میں تاریخ کے ایک معاملہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُہٗ ؕ وَتِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُہَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُہَدَآءَ ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ (آل عمران: 140) یعنی اگر تم کو کوئی زخم پہنچے تو قوم کو بھی ویسا ہی زخم پہنچا ہے۔ اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں، تاکہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے کچھ لوگوں کو گواہ بنائے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

قرآن کی اِس آیت کا مرکزی نقطہ (central point) بین الناس کے لفظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ یہاں بین الناس سے مراد بین الأقوام ہے۔ یعنی اِس آیت میں، لوگوں کے ساتھ پیش آنے والے، اُس واقعے کا ذکر ہے جو اُن کے درمیان قومی بنیاد پر پیش آتے ہیں۔ یعنی قانون فطرت کے مطابق، اِس دنیا کا نظام مسابقت (competition) کے اصول پر قائم ہے۔ مذکورہ آیت میں، زمانۂ رسول کے دو واقعے کا ذکر ہے — بدر اور احد۔ بدر کے واقعہ میں مشرک قوم کو نقصان اٹھانا پڑا تھا، اُحد کے واقعہ میں موحد قوم کو نقصان اٹھانا پڑا۔ اِس طرح کے واقعات فطرت کے قانون کے مطابق، ہمیشہ ہر قوم کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ ایسے واقعے کو صحیح تناظر (right perspective) میں دیکھیں۔ اِس سے وہ اپنے آپ کو منفی سوچ سے بچا سکیں گے۔

موجودہ زمانے میں مسلمانوں کے ساتھ جو واقعات پیش آئے، اُن کو بھی اِسی قانون فطرت کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ اِس طرح مسلمانوں کے اندر حقیقت پسندانہ مزاج (realistic approach) پیدا ہوگا۔ وہ اپنے آپ کو اِس سے بچا سکیں گے کہ اِن واقعات کو لے کر اُن کے اندر منفی سوچ پیدا ہو جائے، اور پھر وہ اپنے عمل کی مثبت منصوبہ بندی (positive planning) کرنے میں ناکام ہو جائیں۔

مثلاً انیسویں صدی میں مسلمانوں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ مغرب کی نوآبادیاتی قومیں ایشیا اور افریقہ میں پھیل گئیں، اور انھوں نے مسلمانوں کے قومی دبدبہ کو ختم کردیا۔ اِس پر تمام دنیا کے مسلمان مغربی قوموں کو اپنا دشمن سمجھنے لگے۔ اگر اِس معاملہ کو وہ قرآنی معیار سے دیکھتے تو وہ کہتے کہ اِس سے پہلے مسلم قوموں نے دوسری قوموں کے اوپر اپنا دبدبہ قائم کیا تھا۔ اب تاریخ کے قانون کے مطابق، دوسری قوموں کو یہ موقع ملا ہے کہ وہ مسلمانوں کے اوپر اپنا دبدبہ قائم کریں۔ مسلمان اگر اس طرح سوچتے تو وہ نئے حالات کے مطابق، اپنے عمل کی حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی کرتے۔ لیکن مسلمان اِس تاریخی قانون سے بے خبر رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوری مسلم دنیا مغربی قوموں کے خلاف نفرت میں مبتلا ہوکر رہ گئی۔

1948 میں یہ واقعہ پیش آیا کہ یہود نے نئے حالات سے فائدہ اٹھایا اور فلسطین کے نصف حصے پر اپنی حکومت قائم کرلی۔ جس پر مسلمان مشتعل ہوگئے۔ وہ اسرائیل کے خلاف بے نتیجہ قسم کی منفی کارروائیوں میں مشغول ہوگئے، حالاں کہ اگر وہ سوچتے کہ اِس سے پہلے، سیکڑوں سال تک مسلم قوم نے فلسطین پر اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔ اب اگر یہود قوم کو موقع ملا ہے تو وہ قوموں کے بارے میں تاریخی قانون کی بنا پر پیش آیا ہے۔

مسلمان اگر اِس طرح سوچتے تو اُن کے اندر حقیقت پسندانہ فکر پیدا ہوتی۔ وہ نئے حالات کے لحاظ سے اپنے عمل کا نتیجہ خیز منصوبہ بناتے، لیکن عملاً یہ ہوا کہ انھوں نے منفی کارروائیوں میں مبتلا ہوکر صرف اپنے نقصان میں مزید اضافہ کرلیا۔

اِسی طرح ہندوستان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ 6 دسمبر 1992 کو ہندوؤں کا ایک مشتعل گروہ اجودھیا میں داخل ہوا، اور بابری مسجد کی عمارت کو ڈھا دیا۔ اس وقت مسلمان اگر یہ سوچتے کہ اس سے پہلے 1001ء میں مسلم سلطان نے سومناتھ میں ہندوؤں کے مندر کو ڈھا دیا تھا، اُس کے بعد انتقامی طور پر اجودھیا کا واقعہ پیش آیا۔ مسلمان اگر اِس طرح سوچتے تو اُن کے اندر مثبت طرز فکر پیدا ہوتا، وہ حقیقت پسندانہ اور نتیجہ خیز (result oriented) انداز میں اپنے عمل کا منصوبہ بناتے، اور پھر یقینی طور پر

کامیاب رہتے، لیکن انھوں نے اپنے ناعاقبت اندیش لیڈروں کی رہنمائی میں بے فائدہ قسم کی منفی کارروائیاں شروع کردیں۔ اُن کا یہ طریقہ فطری طور پر کاؤنٹر پروڈکٹیو (counter productive) ثابت ہوا۔ مسلمانوں کے حصے میں مزید نقصان کے سوا کچھ اور نہ آیا۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان مذکورہ قسم کے جو واقعات پیش آتے ہیں۔ وہ ہمیشہ قومی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ اُن کا دین اور اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ عقیدہ بنانا غلط ہے کہ فلاں قوم ہماری دشمن قوم ہے، وہ ہمارے خلاف سازشیں کرتی ہیں۔ اِس لئے اس قسم کے واقعات پیش آرہے ہیں۔ اِس قسم کے تمام خیالات تاریخ کے بارے میں فطرت کے قوانین سے بےخبری کا نتیجہ ہیں۔ یہ واقعات قوموں کے درمیان مسابقت کی بنا پر پیش آتے ہیں، نہ کہ سازش اور عداوت کی بنا پر۔

اِس طرح کے واقعات کو اگر حقیقت پسندانہ ذہن سے دیکھا جائے تو لوگوں کے اندر مثبت طرز فکر (positive thinking) پیدا ہوگی۔ اور بلاشبہہ وہ اِس قابل ہوجائیں گے کہ ہر ناکامی کے بعد اپنے لئے نتیجہ خیز منصوبہ بنائیں، اور ہر ناکامی کے بعد دوبارہ کامیابی حاصل کرلیں۔ اِس کے برعکس، اگر تاریخ کے واقعات کو خود ساختہ ذہن کے ساتھ دیکھا جائے تو لوگوں کے اندر منفی طرز فکر (negative thinking) پیدا ہوگی۔ وہ ردعمل (reaction) کی نفسیات کا شکار ہوجائیں گے، اور غیر حقیقت پسندانہ عمل میں مبتلا ہوکر ایسی کارروائی کریں گے جو باعتبار نتیجہ صرف ان کے نقصان میں اضافہ کرنے والی ہو۔

مرادآباد (یوپی) میں ماہ نامہ الرسالہ اور مطبوعات الرسالہ حاصل کرنے کے لیے رابطہ قائم کریں:

Iqbal Zafar
Peerzada Street, Near Masjid Lal Imli,
Moradabad. UP. 244001
Mob+:91-9045873801
Email: iqbalzafar1984@gmail.com

زندگی المیہ کیوں

شیلے (P. B. Shelley) ایک انگریز شاعر تھا۔ اس کی وفات 1822 میں ہوئی۔ وہ پُردرد شاعری کے لیے مشہور ہے۔ اس کا ایک شعر یہ ہے — ہمارے سب سے زیادہ شیریں نغمے وہ ہیں جو سب سے زیادہ غم ناک خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں:

Our sweetest songs are those that tell of saddest thought

ایسا کیوں ہے؟ اِس کا سبب یہ ہے کہ بیشتر لوگ اِس احساس میں جیتے ہیں کہ زندگی اُن کے لیے ایک المناک تجربہ تھی۔ وہ جو کچھ پانا چاہتے تھے، اُس کو وہ نہ پا سکے۔ وہ اپنے آپ کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک ناکام انسان سمجھتے ہیں۔ اس صورت حال کی بنا پر ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ کوئی درناک نغمہ سنتے ہیں، یا کوئی دردناک کہانی پڑھتے ہیں، تو وہ اپنی محرومِ نفسیات کی بنا پر اُس کو اپنے دل کی آواز سمجھتے ہیں۔ ان کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ حقیقت واقعہ کا بیان ہے۔ اِس کے برعکس جب وہ بظاہر کوئی پرمسرت نغمہ سنتے ہیں یا پرمسرت کہانی پڑھتے ہیں تو وہ اس کو اپنے احساس کی بنا پر شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ ایک غیر واقعی بات ہے۔ لوگوں کی اِس نفسیات کا سبب کیا ہے؟ اُس کا سبب یہ ہے کہ لوگ خالق کے تخلیقی نقشہ (creation plan) کو سمجھے بغیر، اپنی زندگی کا منصوبہ بناتے ہیں۔ وہ اپنے لئے ایک ایسی چیز پانا چاہتے ہیں جس کا حصول خالق کے تخلیقی نقشہ کے مطابق، اِس دنیا میں ممکن نہیں۔ یہی تضاد، مذکورہ صورتِ حال کا اصل سبب ہے۔

خالق کے تخلیقی نقشہ کے مطابق، موجود دنیا میں انسان اپنے لیے صرف بقدر ضرورت پا سکتا ہے، اِس سے زیادہ نہیں۔ ایسی حالت میں انسان اگر بقدر ضرورت پر قناعت کرے، تو وہ مذکورہ نفسیات سے بچ سکتا ہے۔ خالق کے تخلیقی نقشے کے مطابق انسان کو چاہئے کہ وہ موجودہ دنیا میں صرف بقدر ضرورت چاہے، اور اس سے زیادہ کو آخرت کی چیز سمجھے — یہی موجودہ دنیا میں پرسکون زندگی کا واحد راز ہے۔ فطری زندگی کا نام پرمسرت زندگی ہے اور غیر فطری زندگی کا نام مسرت سے خالی زندگی۔

ٹماٹر یا لال بیگن

''میرے خاندان کے ایک بزرگ تھے، حافظ محمد اسماعیل، جو بڑے عالم اور محدث تھے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے والد تھے اور رشتے میں میرے والد کے چچا تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں کسی انگریز کی شکل نہیں دیکھی، انگریزی کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا۔ اور اپنے گھر میں کسی کو انگریزی کا لفظ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ہندستان میں پہلے شاید ٹماٹر نہیں ہوتا تھا، بعد میں جب یہاں ٹماٹر آیا تو یہ لفظ شاید انگریزی کے لفظ tomato کی اردو شکل تھی۔ حافظ اسماعیل صاحب ٹماٹر کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے اور اگر کوئی بولتا تھا تو اس پر ناخوشی کا اظہار کرتے تھے۔ انھوں نے اس کا نام لال بیگن رکھا ہوا تھا۔ میرے والد صاحب بتاتے تھے کہ ایک دن گھر میں انھوں نے پوچھا کہ سالن میں کیا ڈالا ہے؟ ان سے کہا گیا کہ ٹماٹر ڈالا گیا ہے تو وہ سخت ناراض ہوئے کہ نصرانیت میرے گھر میں گھس آئی؟ اس کو لال بینگن کیوں نہیں کہتے''؟ (روایت ڈاکٹر محمود احمد غازی، ماہ نامہ 'الشریعہ'، مارچ 2005، صفحہ 9)

نوآبادیاتی دور میں یہ منفی سوچ مسلمانوں میں عام تھی۔ میرے برادرِ بزرگ مولانا اقبال احمد خاں سہیل نے اپنے ایک مضمون میں انگریزوں کی برائی بتاتے ہوئے لکھا تھا کہ — اُن کی زبان میں لالہ، پاپی (poppy) بن جاتا ہے اور الہ آباد، آل بَیڈ (all bad) بن جاتا ہے، وغیرہ۔

انگریز یا مغرب کے خلاف اِس نفرت کا نقصان دوسروں کو تو کچھ نہیں پہنچا، لیکن خود مسلمانوں کو اپنی اِس منفی سوچ کی بنا پر بھاری قیمت دینی پڑی۔ اِس نقصان کے دو خاص پہلو تھے — ایک یہ کہ مسلمان جدید تعلیم اور جدید ٹکنالوجی کو اختیار نہ کرنے کی بنا پر زندگی کی دوڑ میں دوسری قوموں سے پچھڑ گئے۔ دوسرا اِس سے زیادہ بڑا نقصان یہ تھا کہ جو لوگ ان کے مدعو تھے، اُن کو انھوں نے اپنا دشمن سمجھ لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اندر یہ جذبہ آخری حد تک ختم ہو گیا کہ وہ غیر مسلموں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں۔

دعوتی اسپرٹ

بیگم اختر (وفات: 1974) انڈیا کی ایک مشہور مغنیہ (singer) تھیں۔ ان کو اپنے پروفیشن سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا۔ انھوں نے ایک بار اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ — ایک بھی اگر کہیں سننے والا ہے تو اس کو ڈھونڈو اور جا کر اس کو سناؤ۔

یہ ایک آرٹسٹ کی اسپرٹ ہے۔ یہی وہ اسپرٹ ہے جو ایک آرٹسٹ کو ایک بڑا آرٹسٹ بناتی ہے۔ جس آرٹسٹ کے اندر یہ اسپرٹ نہ ہو وہ کبھی بڑا آرٹسٹ نہیں بن سکتا۔

دین کا داعی بھی گویا ایک ڈوائن آرٹسٹ ہوتا ہے۔ سچا داعی وہ ہے جس کے اندر یہ اسپرٹ اعلی درجہ میں موجود ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ داعی کی نظر کمّیت (quantity) پر نہیں بلکہ کیفیت (quality) پر ہونی چاہئے۔

داعی کے اندر اگر یہ اسپرٹ ہے، تو وہ کبھی مایوس نہیں ہوگا۔ وہ ہمیشہ پرامید (hopeful) رہے گا۔ اگر اُس کو ایک انسان ایسا مل جائے، جو متلاشی (seeker) ہو۔ تو وہ اُس ایک انسان کو اتنا زیادہ اہمیت دے گا، جیسے کہ وہی اس کے لئے ساری انسانیت ہے۔ سچا داعی وہ ہے جو ایک انسان کو بھی سارے انسانوں کے برابر سمجھے۔ جو ایک انسان پر بھی اتنا زیادہ محنت کرے، جتنا کوئی شخص ساری دنیا کے انسانوں پر محنت کرے گا۔

سچے داعی کی نظر اپنی ذمہ داری پر ہوتی ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اُس کے سامنے انسانوں کی ایک بھیڑ ہے، یا صرف ایک انسان ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ اُس کو اپنے دعوتی عمل کا کوئی اجر ملے گا یا نہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ لوگ اُس کی بات مانیں گے یا نہیں مانیں گے۔ سچا داعی صرف اللہ کے لئے کام کرتا ہے نہ کہ دنیا کے وقتی فائدوں کے لئے۔ ایسا ہی داعی، سچا داعی ہے۔ اور یہی وہ داعی ہے جس کو آخرت کی ابدی جنت میں داخلہ ملے گا۔ اس حقیقت کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ جس نے ایک شخص کو زندگی دی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی دے دی (المائدۃ:32)۔

شکایت کا نقصان

شکایت (complaint) نہایت مہلک چیز ہے۔ تمام اجتماعی خرابیاں ہمیشہ شکایت کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں۔ جب دو یا زیادہ آدمی ایک ساتھ رہیں، تو اُن کے درمیان لازماً ایسے اختلاف پیدا ہوتے ہیں، جو شکایت بن جاتے ہیں۔ پھر یہ شکایت بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کو برا سمجھنے لگتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ حالت اگر دیر تک باقی رہے، تو دو افراد یا دو گروہوں کے درمیان ایسی نفرت پیدا ہو جاتی ہے جو پھر کبھی ختم نہیں ہوتی۔

شکایت کا واحد حل یہ ہے کہ اُس کو سنجیدگی کے ساتھ نہ لیا جائے، بلکہ اُس کو بھلا دیا جائے۔ شکایت پیدا ہو تو آدمی کو چاہئے کہ وہ نہ تو اُس کی تحقیق کرے اور نہ اس کو یاد رکھے، بلکہ یک طرفہ طور پر اُس کو بھلا دے۔ اجتماعی زندگی میں شکایت کا پیدا ہونا فطری ہے۔ لیکن شکایت کے مسئلے کا حل یہ نہیں ہے کہ اس کی پوچھ گچھ کی جائے، اور اس کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔ موجودہ دنیا میں شکایت کا خاتمہ ممکن نہیں۔ یہاں عملاً صرف یہ ہو سکتا ہے کہ شکایت کو یاد نہ رکھا جائے، اُس کا چرچا نہ کیا جائے، اُس کو تعلقات کی بنیاد نہ بنایا جائے، شکایت کے مسئلے کا یہی واحد حل ہے۔ عملی اعتبار سے شکایت کے مسئلے کا دوسرا کوئی حل نہیں۔ جو آدمی چاہتا ہو کہ وہ مثبت ذہن کے ساتھ اِس دنیا میں رہے، اور مثبت ذہن کے ساتھ اِس دنیا سے چلا جائے، اُس کے لیے اِس کے سوا کوئی اور صورت عملاً ممکن نہیں۔

شکایت کا معاملہ ہمیشہ ایک پیچیدہ معاملہ ہوتا ہے۔ اِس لئے شکایت کا عملی حل (practical solution) صرف یہ ہے کہ شکایت کو بحث کا موضوع نہ بنایا جائے بلکہ اس کو ایک ایسی چیز سمجھا جائے، جس کا حل اُس کو بھلا دینا ہے، نہ کہ یہ دیکھنا کہ وہ صحیح ہے یا غلط۔ تجربہ بتاتا ہے کہ پوچھ گچھ سے شکایت ختم نہیں ہوتی، بلکہ اکثر زیادہ پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں شکایت کا عملی حل یہی ہے کہ اس کو بھلا دیا جائے۔

وقت کا سرمایہ

وقت کسی انسان کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے۔ وقت ہر انسان کو ملتا ہے، لیکن وقت کو پانے والا وہ ہے جس نے ملے ہوئے وقت کو استعمال کیا۔ کسی نے درست طور پر کہا ہے کہ — کھویا ہوا مال دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن کھویا ہوا وقت دوبارہ حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے وقت کو نہایت ہوشمندی کے ساتھ استعمال کرے:

Money lost can be earned again, but lost time is lost forever. So use your time judiciously.

جس طرح یہ بات غلط ہے کہ آدمی اپنے وقت کو ضائع کردے، اسی طرح یہ بات بھی غلط ہے کہ آدمی اپنے وقت کو بے فائدہ کاموں میں استعمال کرے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے وقت کو ایسے کام کے لئے استعمال کرے جو اس کو فائدہ پہنچانے والا ہو۔ وقت ایک خارجی چیز ہے۔ وقت کا تعین کلنڈر کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن وقت کا درست استعمال ایک داخلی صفت ہے۔

آدمی داخلی طور پر جتنا زیادہ تیار ہو اتنا ہی زیادہ وہ وقت کا مفید استعمال کر سکتا ہے۔ وقت کا سب سے زیادہ نازک پہلو یہ ہے کہ وقت ایک محدود لمحے کا نام ہے۔ محدود لمحے کے لیے آپ کو وقت حاصل ہوتا ہے۔ محدود لمحے کے ختم ہونے کے بعد وقت کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اِس حقیقت کو ایک اردو شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

وقت کے معاملہ میں انسان کو یہ کرنا ہے کہ وہ وقت کے صحیح استعمال اور وقت کے غلط استعمال کے درمیان فرق کرے۔ وہ وقت کے غلط استعمال سے اُسی طرح بچے، جس طرح کوئی شخص حرام چیز سے بچتا ہے۔ وقت کے غلط استعمال کے بارے میں شدید حساسیت ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو اِس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنے وقت کو بھرپور طور پر استعمال کرے۔

اسپرٹ آف اسلام

الرسالہ مشن کا انگریزی ترجمان

الرسالہ مشن کا انگریزی ترجمان اسپرٹ آف اسلام (*Spirit of Islam*) کے نام سے بنگلور سے نکل رہا ہے۔ یہ ماہ نامہ جنوری 2013 سے شائع کیا جارہا ہے۔ وہ ہر اعتبار سے ایک معیاری میگزین ہے۔ انگریزی زبان کی حیثیت انٹرنیشنل زبان کی ہے۔ یہ بے حد ضروری ہے کہ الرسالہ مشن کے پرامن افکار کو انگریزی داں طبقہ میں وسیع پیمانہ پر پھیلایا جائے۔ یہ بلاشبہہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس مقصد کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ الرسالہ مشن سے وابستہ ہر فرد اسپرٹ آف اسلام کی ایجنسی لے، حتی کہ جو لوگ انگریزی نہ جانتے ہوں وہ بھی اسپرٹ آف اسلام کی ایجنسی ضرور لیں، اور اس کو انگریزی داں طبقہ تک پھیلائیں۔ انگریزی داں طبقہ، وقت کا کار فرما طبقہ ہے۔ الرسالہ کے پرامن مشن سے اس کو واقف کرانا لازمی طور پر ضروری ہے۔

اس کی عملی صورت یہ ہے کہ الرسالہ مشن سے وابستہ ہر فرد اسپرٹ آف اسلام کی ایجنسی لے۔ ایجنسی کے لیے کم سے کم تعداد دس شمارہ کی ہے، زیادہ تعداد کی کوئی حد نہیں۔ ایجنسی لینے والے کے نام اسپرٹ آف اسلام کی مقرر تعداد بذریعہ وی پی روانہ ہوگی۔ صاحب ایجنسی کو یہ کرنا ہے کہ وہ ان شماروں کو اپنے قریبی حلقہ میں بذریعہ قیمت لوگوں تک پہنچائیں۔ صاحب استطاعت افراد اس ماہنامہ کو فری تقسیم کرسکتے ہیں۔ اسپرٹ آف اسلام کی ایجنسی لینا، اپنے آپ کو اِس دعوتی مشن میں شریک کرنا ہے، جو وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔

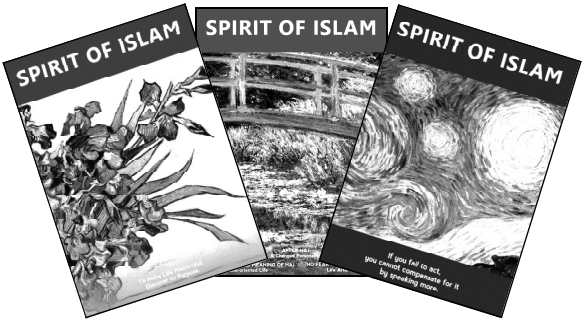

For Subscription of the Spirit of Islam, please contact:
Centre for Peace, Bangalore
08050202626, Landline: 08022118978
email: thecentreforpeace@gmail.com

سوال و جواب

سوال

قرآن کی ایک آیت میں ہے کہ: اے پیغمبر، جو کچھ تمھارے اوپر تمھارے رب کی طرف سے اترا ہے، تم اس کو پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا (5:67)۔ اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنے نبیوں کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔ اِس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ نبیوں کو ستایا گیا، حتی کہ بہت سے نبیوں کو قتل بھی کر دیا گیا۔ ایسی حالت میں، "واللہ یعصمك من الناس" کا مطلب کیا ہوگا۔ (عبداللطیف، پاکستان)

جواب

قرآن کی اِس آیت میں بلاشبہہ پیغمبروں کے لیے اور داعیانِ حق کے لیے حفاظت کا وعدہ ہے، لیکن حفاظت کا یہ وعدہ ذات کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ مشن کے اعتبار سے ہے۔ اِس وعدے کا مطلب یہ ہے کہ کسی پیغمبر کا جو مشن ہے وہ لازماً پورا ہو کر رہتا ہے۔ اللہ کی حفاظت اِس بات کی گارنٹی ہوتی ہے کہ اس کو اللہ کی مدد حاصل ہو، اور اللہ کی مدد سے وہ تکمیل تک پہنچے۔ تکمیل سے مراد کسی عملی نظام کا قائم کرنا نہیں ہے، بلکہ اُس سے مراد ابلاغ اور انذار و تبشیر ہے۔

اِس حفاظت کے باوجود دوسروں کے لیے یہ موقع باقی رہتا ہے کہ وہ اپنی آزادی کا غلط استعمال کر کے پیغمبر یا داعی کو بظاہر کوئی نقصان پہنچائیں۔ مگر اِس نقصان کا تعلق آزمائش کے قانون سے ہے، نہ کہ "عصمت من الناس" کے قانون سے۔

سوال

آپ نے اپنی کتاب "امن عالم" صفحہ 7 میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ "ألا وإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله، ألا وهي القلب"۔ پھر آپ نے آگے بیان کیا ہے کہ علامہ ابن حجر نے اس سے استدلال کیا ہے کہ عقل قلب میں ہوتی ہے اور آپ نے کہا کہ مگر یہ بات درست نہیں، اس حدیث میں قلب سے مراد مرکز تفکیر نہیں ہے بلکہ مرکز دورانِ خون ہے۔ قلب اور جسد

کا ذکر اس حدیث میں بطور تمثیل ہے۔ اس کی وضاحت فرمائیں۔ (فیضان صدیقی، کیرالا)

جواب

قلب کا لفظ دل (heart) کے معنی میں بھی آتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ قلب کا لفظ دماغ (mind) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن فزیالوجی کی کتاب نہیں، قرآن تفکر اور تدبر کی کتاب ہے۔ اِس لیے قرآن میں قلب کو ذہن کے معنی میں لیا جائے گا۔ قرآنی آیات میں قلب کو دل کے معنی میں لینا صحیح نہیں۔

قلب کا لفظ عربی زبان میں عام طور پر عقل یا ذہن کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان کی مشہور لغت لسان العرب میں قلب کے لفظ کے تحت یہ الفاظ درج ہیں: وقد يعبر بالقلب عن العقل - قال الفراء في قوله تعالي: إن في ذلك لذكري لمن كا له قلب، أي عقل - قال الفراء: وجائز في العربية أن تقول: مالك قلب، وما قلب معك؛ تقول: ما عقلك معك، وأين ذهب قلبك؟ أي أين ذهب عقلك؟ وقال غيره - لمن كان له قلب أي تفهم وتدبر (لسان العرب: 1/687)۔

ترجمہ: قلب کی تعبیر عقل سے بھی کی جاتی ہے۔ فراء نے کہا کہ قرآن کی آیت 'إن فی ذلك لذكری لمن كان له قلب' میں قلب سے مراد عقل ہے۔ فراء نے کہا کہ عربی میں یہ کہنا درست ہے کہ تمھارے اندر قلب نہیں، اور تمھارا قلب تمھارے ساتھ نہیں۔ اس کا مطلب ہے تمھارے اندر عقل نہیں۔ اور تمھارا قلب کہاں گیا؟ یعنی تمھاری عقل کہاں گئی۔ دوسرے اہلِ لغت نے بھی کہا ہے کہ قرآن کی آیت لمن کان لہ قلب میں قلب سے مراد سوچنا اور غور کرنا ہے۔

قرآن میں قلب کا لفظ جہاں جہاں آیا ہے، ہر جگہ وہ تدبر اور تفکر کے سیاق میں آیا ہے۔ اس لئے ان آیتوں میں قلب سے مراد ذہن یا عقل لیا جائے گا، نہ کہ دل بمعنی ہارٹ (heart)۔

دل کو سوچنے والا دل (thinking heart) کے معنی میں لینا، ایک قدیم توہماتی نظریہ تھا۔ اس کا قرآن سے یا حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ موجودہ زمانے میں سائنسی تحقیقات سے یہ تصور غلط ثابت ہو چکا ہے کہ دل سوچنے اور غور کرنے کا مرکز ہے۔

خبرنامہ اسلامی مرکز—230

1- سی پی ایس سہارن پور کی ایک ٹیم 19 جون 2014 کو سہارن پور سینٹرل جیل گئی، اور قیدیوں کے درمیان 200 قرآن کے ترجمے اور دوسرے دعوتی لٹریچر تقسیم کیا۔ اس تقسیم میں چیف جیلر مسٹر سکسینہ خود شریک ہوئے، اور انھوں نے کہا کہ قرآن اور مولانا وحید الدین خاں کی کتابیں ہر ایک کے لئے مشعل راہ ہیں۔ مسز الپنا تلوار (صدر، بی جے پی خواتین سیل)، اور مسز ممتا رورا (سماجی کارکن)، ڈاکٹر ذوالفان، ڈاکٹر ٹی اے چوہان، ایڈووکیٹ انیس صدیقی، مسٹر محسن بلال، مسٹر عمار خان، وغیرہ اس پروگرام میں شریک ہوئے۔ (ڈاکٹر محمد اسلم خان، سہارن پور)

2- کشمیر سی پی ایس کی ایک ٹیم 23-31 اگست 2014 کو سری نگر میں لگنے والے بک فیر میں گڈورڈ بکس کے ساتھ شریک ہوئی۔ یہاں انھوں نے قرآن کا ترجمہ اور دوسری اسلامی کتابیں بڑی تعداد میں لوگوں کے درمیان تقسیم کیا۔ نیشنل بک ٹرسٹ (این بی ٹی) نے نیشنل قومی کونسل برائے فروغ اردو (این سی پی یو ایل) کے اشتراک سے یہ بک فیر آرگنائز کیا تھا۔

3- ممبئی سی پی ایس ٹیم نے 30 اور 31 اگست 2014 کو امراوتی، مہاراشٹرا کا دعوتی دورہ کیا۔ اس دورے کے دو اہم مقاصد تھے، ماہنامہ الرسالہ کے قارئین کو ایک پلیٹ فارم پر لاکر دعوتی کام کرنا، اور امراوتی کے انٹلکچول لوگوں سے ملاقات۔ پہلے مقصد کے تحت وہاں الرسالہ کے قارئین کی ایک بڑی تعداد سے ملاقات ہوئی۔ ان تمام لوگوں نے مولانا توفیق ندوی صاحب کو اپنا امیر بنایا ہے، اور نئے حوصلے کے ساتھ مشن کا کام کرنے کا عہد کیا ہے۔ دوسرے مقصد کے تحت جن لوگوں سے ملاقات ہوئی، ان میں ایک اہم مسٹر اشوک رانا ہیں، جو ایک کالج میں پروفیسر ہیں اور انھوں نے تقریباً 50 کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان سے تین گھنٹے سے زیادہ خدا کے منصوبۂ تخلیق سے متعلق گفتگو ہوئی، اس گفتگو سے وہ کافی متاثر ہوئے۔ گفتگو کے بعد انھیں قرآن کا ترجمہ اور دوسری کتابیں دی گئیں، انگریزی ماہنامہ اسپرٹ آف اسلام (بنگلور) ان کے نام سے جاری کیا گیا ہے۔ (محبوب ہنگی، ممبئی)

4- سی پی ایس دہلی کی کی ایک ٹیم نے ودیا جیوتی کالج آف تھیولوجی، نئی دہلی کی دعوت پر کالج کے طلبہ کو اسلام کے بارے میں انگریزی زبان میں لکچر دیا۔ یہ پروگرام 5 ستمبر 2014 کو ہوا۔ اس میں مسٹر رجت ملہوترا نے الرسالہ اور سی پی ایس مشن پر تقریر کی، مس سعدیہ خان نے اسلام میں جہاد کے عنوان پر لکچر دیا، مس ماریہ خان کا عنوان تھا: مذہب کا مطالعہ اسلامی نقطہ نظر سے، اور مس صوفیہ خان نے اسلام اور امن کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ تقریروں کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ چلا۔ پروگرام کے آخر میں تمام طلبہ کو قرآن کا انگریزی ترجمہ اور اسلام کے تعارف پر مشتمل لٹریچر بطور ہدیہ دیا گیا۔

5- دہلی کے پرگتی میدان میں 11-14 ستمبر 2014 کو عالیشان پاکستان کے نام سے ایک لائف اسٹائل نمائش لگی تھی۔ یہ نمائش ٹریڈ ڈیولپمنٹ اتھاریٹی آف پاکستان (TDAP) اور فکّی کے تعاون سے پاکستانی تاجروں

کے لئے منعقد کی گئی تھی۔ سی پی ایس دہلی کی ایک ٹیم نے اس نمائش میں شرکت کرنے والے 150 سے زیادہ پاکستانی تاجروں کے درمیان قرآن کا ترجمہ اور دوسرے دعوتی لٹریچر تقسیم کیے۔ تمام پاکستانی مہمانوں نے اسے حیرت اور خوشی کے ساتھ قبول کیا۔

6۔ مشہور بدھسٹ رہنما ایچ ایچ دلائی لامہ کی جانب سے 21-22 ستمبر 2014 کو نئی دہلی میں ایک میٹنگ منعقد کی گئی تھی، جس کا عنوان تھا: Diverse Spiritual Traditions in India۔ اس پروگرام میں صدر اسلامی مرکز نے شرکت کی اور Inter-Religious Understanding and Human Values کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ تقریر سے پہلے ایک مخصوص میٹنگ ہوئی جس میں ملک کے الگ الگ علاقوں سے آئے ہوئے مختلف مذہبی رہنماؤں نے اس پر بات چیت کی کہ مذہبی افہام وتفہیم اور رواداری کو کس طرح بڑھاوا دیا جائے۔

7۔ ای ٹی وی اردو چینل کی ایک ٹیم 23 ستمبر 2014 کو اسلامی مرکز، دہلی کے آفس میں آئی، انھوں نے صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو لیا۔ انٹرویو کا موضوع تھا، حج۔ انٹرویو کے بعد نامہ نگار مسٹر شاہ نواز کو صدر اسلامی مرکز کی کچھ کتابیں بطور تحفہ دی گئیں، جسے انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

8۔ ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ، حیدرآباد کی جانب سے 29 ستمبر 2014 سے 4 اکتوبر 2014 تک اسلام اور انٹرفیتھ ریلیشن پر ایک پروگرام ہوا۔ اس میں سی پی ایس حیدرآباد کی طرف سے مولانا فیاض الدین عمری اور جناب ذیشان یوسف نے 3 اکتوبر کو اسلام میں پیس اور جہاد کے موضوع پر خطاب کیا۔ پروگرام میں تقریباً 50 اہل علم اور کرسچن پریسٹ شریک ہوئے۔ تمام لوگوں نے اسلام میں پیس اور جہاد کے موضوع پر اس تقریر کو بہت پسند کیا۔ سی پی ایس حیدرآباد نے پروگرام میں ایک بک اسٹال بھی لگایا تھا، جس سے کافی تعداد میں لوگوں نے ترجمۂ قرآن اور دوسری اسلامی کتابیں حاصل کیں۔

9۔ عیدالاضحیٰ کے دن 6 اکتوبر 2014 کو صدر اسلامی مرکز نے عید کی مناسبت سے ایک تقریر کی، جس کا عنوان 'عیدالاضحیٰ کا پیغام' تھا۔ تقریر کے بعد صدر اسلامی مرکز نے اپنی کتاب What is Islam کے جرمن ورژن کا اجرا کیا۔ اس کتاب کو گڈورڈ بکس (دہلی) نے جرمن زبان میں ترجمہ کرکے شائع کیا ہے۔ یہ پروگرام G-10، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی میں منعقد ہوا۔ اس پروگرام میں سی پی ایس (دہلی) کے ممبران نے شرکت کی۔ اس تقریر کو مندرجہ ذیل لنک پر آن لائن سنا جاسکتا ہے:

http//:cpsglobal.org/content/message-eid-al-adha-october-6_2014

10۔ مختلف قسم کے دعوتی تجربات وتاثرات کا ایک حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

- فیکلٹی آف ہیومنیٹیز، مولانا محمد علی جوہر یونیورسٹی (رام پور) کے ڈین ڈاکٹر آر آر اگروال آزاد، سی پی ایس کے لٹریچر کو پچھلے کئی سالوں سے خرید کر لوگوں کے درمیان تقسیم کررہے ہیں۔ ابھی حال میں انھوں نے بڑی تعداد میں ترجمہ قرآن اور دیگر دعوتی لٹریچر خریدا ہے۔ انھوں نے صدر اسلامی مرکز کی کتاب گاڈ ارئزز، یونیورسٹی کے فاؤنڈر اور چانسلر

مسٹر محمد اعظم خان (سینئر وزیر حکومت یوپی) کو دیا تھا، جس کا ذکر منسٹر موصوف نے بطور خاص مجھ سے کیا ہے۔ (ڈاکٹر محمد اسلم خان، سہارن پور)

- میرا ایک دوست کچھ خدا کے انکار کرنے والوں کی وجہ سے اس شک میں پڑ گیا کہ کہیں دینِ اسلام ایک دھوکا تو نہیں۔ تو میں نے مذہب اور جدید چیلنج کا انگریزی ورزن گاڈ ارائزز (God Arises) اسے پڑھنے کے لئے دیا۔ اس نے اس کتاب کو بالکل غیر جانبدار (neutral) مائنڈ سے پڑھا، ایسے کہ گویا وہ مسلم نہیں ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اس نے اسلام کو ری ڈسکور کیا۔ (محمد انس، مظفر نگر)

- Grace Fellowship Church in Atlanta, USA buys copies of the English Quran from Kaleem Sahab regularly and distributes them to people.

- Some comments by seeker people:

  "My name is John and I am seeking knowledge on Islam. If there is any way, shape or form that you could please help, I would greatly appreciate it". — John Perkit, California

  "Dear Sir, I wish to know more about the Quran by reading the translated version in the English language. I am 53years of age, and in my community we have many religions. I believe it is very important to educate oneself in learning about others, whether it be studying language or religion". — Michael Leads, Philadelphia

  The hundreds of comments like the ones above which we receive, looking for the Quran online, proves the point that Muslims should devote themselves fully to disseminate God's message among the people all over the world. (Khaja Kaleemuddin, Pennsylvania, USA)

Rahnuma-e-Zindagi
by
Maulana Wahiduddin Khan
ETV Urdu
Tuesday-Friday 5.00 am

ISLAM FOR KIDS
by
Saniyasnain Khan
ETV Urdu
Every Sunday 9.00 am

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

اللہ اکبر
اتحادِ ملّت
احیاءِ اسلام
اسباقِ تاریخ
اسفارِ ہند
اسلام: ایک تعارف
اسلام: ایک عظیم جدوجہد
اسلام اور عصرِ حاضر
اسلام پندرہویں صدی میں
اسلام دورِ جدید کا خالق
اسلام دینِ فطرت
اسلام کا تعارف
اسلام کیا ہے
اسلامی تعلیمات
اسلامی دعوت
اسلامی زندگی
اظہارِ دین
اقوالِ حکمت
الاسلام
الربانیہ
امنِ عالم
امہات المومنین (ڈاکٹر فریدہ خانم)
انسان اپنے آپ کو پہچان
انسان کی منزل
ایمانی طاقت
آخری سفر
باغِ جنت
پیغمبرِ اسلام
پیغمبرِ انقلاب
تذکیر القرآن

تاریخ دعوتِ حق
تاریخ کا سبق
تبلیغی تحریک
تجدیدِ دین
تصویرِ ملت
تعارفِ اسلام
تعبیر کی غلطی
تعدادِ ازواج
تعمیرِ انسانیت
تعمیرِ حیات
تعمیر کی طرف
تعمیرِ ملت
حدیثِ رسول
حقیقتِ حج
حقیقت کی تلاش
حکمتِ اسلام
حل یہاں ہے
حیاتِ طیبہ
خاتونِ اسلام
خاندانی زندگی (پمفلٹ)
خدا اور انسان
خلیج ڈائری
دعوتِ اسلام
دعوتِ حق
دینِ انسانیت
دینِ کامل
دین کی سیاسی تعبیر
دین کیا ہے
دین و شریعت
دینی تعلیم

ڈائری 84-1983
ڈائری 90-1989
ڈائری 92-1991
ڈائری 94-1993
رازِ حیات
راہِ عمل
راہیں بند نہیں
روشن مستقبل
رہنمائے حیات (پمفلٹ)
رہنمائے حیات
زلزلہ قیامت
سبق آموز واقعات
سچا راستہ
سفرنامہ اسپین و فلسطین
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد اول)
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد دوم)
سوشلزم اور اسلام
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ
سیرتِ رسول
شتمِ رسول کا مسئلہ
صراطِ مستقیم
صوم رمضان
طلاق اسلام میں
ظہورِ اسلام
عظمتِ اسلام
عظمتِ صحابہ
عظمتِ قرآن
عظمتِ مومن
عقلیاتِ اسلام
علما اور دورِ جدید

عورت معمارِ انسانیت
فسادات کا مسئلہ
فکرِ اسلامی
قال اللہ وقال الرسول
قرآن کا مطلوب انسان
قیادت نامہ
کاروانِ ملت
کتابِ زندگی
کتابِ معرفت
کشمیر میں امن
مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے
مذہب اور جدید چیلنج
مذہب اور سائنس
مسائلِ اجتہاد
مضامین اسلام
مطالعۂ حدیث
مطالعۂ سیرت (پمفلٹ)
مطالعۂ سیرت
مطالعۂ قرآن
منزل کی طرف
مولانا مودودی شخصیت اور تحریک (ڈاکٹر فریدہ خانم)
میوات کا سفر
نارِ جہنم
نشری تقریریں
نئے عہد کے دروازے پر
ہندستان آزادی کے بعد
ہندستانی مسلمان
ہند-پاک ڈائری
یکساں سول کوڈ

Date of Posting 10th and 11th of advance month
Published on the 1st of every month
Postal Regn. No. DL(S)-01/3130/2012-14
RNI 28822/76
Licenced to Post without Prepayment U (SE) 12/2012-14

اظہارِ دین

دورِ حاضر کی نسبت سے اسلام کو سمجھنے کے لیے ایک جامع کتاب

از: مولانا وحید الدین خاں

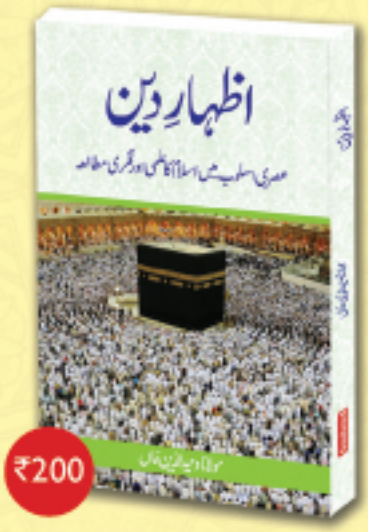

دورِ حاضر اپنی حقیقت کے اعتبار سے، دورِ اسلام ہے۔ دورِ حاضر کی علمی ترقیوں نے اسلام کی عالمی اہمیت کو ازسرِ نو واضح کیا ہے۔ سائنس اسلام کا علمِ کلام ہے۔

دورِ جدید کو ایک آئڈیالوجی کی ضرورت ہے۔ اسلام اِسی آئڈیالوجی کا دوسرا نام ہے۔ روحِ عصر سب سے زیادہ جس چیز کی طالب ہے، وہ بلاشبہہ دینِ اسلام ہے۔ اسلام دنیا اور آخرت کی سعادتوں کے لیے ایک مستند گائڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام اپنے نظریے کے اعتبار سے، مبنی بر توحید دین ہے اور اپنے طریقِ کار کے اعتبار سے، مبنی بر امن دین — عصری اسلوب میں اسلام کے اِن تمام پہلوؤں کو جاننے کے لیے 'اظہارِ دین' کا مطالعہ کیجئے۔

Pages: 720